خسرو دہلی ست بہ نثر و حسن
خسرو اقلیم سخن بے سخن

حیاتِ خسرو

جس میں

جامع علوم ظاہری و باطنی و منبع کمالات صوری و معنوی - بلبلِ بوستانِ نظامیہ - صاحب اختراع و ایجاد - افضل الشعرا - اعلم علما جناب حضرت

امیر خسرو دہلوی رحمتہ اللہ علیہ

الملقب بہ طوطی ہند

کی

سوانح عمری - تصنیف و تالیف - ایجاد و اختراع کے مفصل حالات کے علاوہ جناب حضرت سلطان المشایخ نظام الدین محمد بدایونی قدس سرہٗ کے مختصر حالات بطور ضمیمہ مندرج ہیں

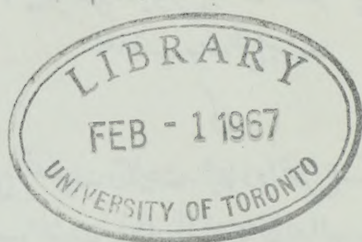
مؤلفہ

محمد سعید احمد مارہروی مؤلف حیاتِ صالح

۱۳۲۱ ہجری نبوی

مطبع اکبری آگرہ میں مجید الدین احمد کے اہتمام سے چھپی

بار اوّل ۵۰۰ جلد
حق تالیف محفوظ ہے
قیمت فی جلد عہ


LIBRARY
FEB - 1 1967
UNIVERSITY OF TORONTO

نذر

بعالیخدمت عالیجناب نواب وقار الدولہ وقار الملک

مولوی محمد مشتاق حسین صاحب خان بہادر انتصار جنگ

میں نہایت ادب سے

اپنی اس ناچیز تالیف کو جناب والا کے نامِ نامی پر نذر کرتا ہوں۔ اس حقیر تالیف کو جناب والا کے نام نامی سے منسوب کرنے میں

نہ تو

جناب والا کی اُس خداداد عزّت اور شہرت میں جو بفضلہ تعالیٰ اس وقت حاصل ہے کوئی بیشی ہو سکتی ہے

نہ یہ نذر

کسی ستایش کی تمنّا یا صلہ کی توقع کے خیال سے ہے

بلکہ

محض اس خیال سے ہے کہ میری قوم میں جناب والا علاوہ دیگر اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کے سب سے زیادہ علمی معاملات میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ پس آپ سے فخر قوم کے نامِ نامی کی برکت سے مجھے امید قوی ہے کہ ان اوراقِ پریشاں کو قبولیت کا مرتبہ حاصل ہو گا۔

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

خاکسار محمد سعید احمد مارہروی



مطبع اکبری آگرہ

جن صاحبوں کو کسی قسم کی کتاب عربی۔ فارسی۔ اُردو۔ ہندی چھپوانی منظور ہو وہ ازراہِ لطف وکرم مطبع ہذا کو مرحمت فرمائیں۔ مطبع نہایت شکر گزاری کے ساتھ بہت صاف اور خوشخط مناسب وقت میں اُسے چھاپ دیگا۔ انشاءاللہ کوئی وعدہ خلافی بدمعاملگی یا کسی طرح کا دھوکا ہمارے گاہکوں کو نہ ہوگا۔ ہم اُن کی خوشنودی اور خدمت گزاری کو اپنا اوّل درجہ کا فرض سمجھیں گے اور خدا نے چاہا تو اُن کو کسی طرح کی شکایت نہ ہونے دینگے۔ صحت کا اہتمام حد سے زیادہ ہوگا انشاءاللہ مسودہ سے ایک نقطہ یا شوشہ کم یا زیادہ نہ ہوگا بحالت شک وشُبہ دریافت کر لیا جائیگا۔ رموز کتابت واملاے حروف مثل نشان سوال وتعجب ویاے معروف ومجہول ونون غنہ وہاے مخلوط وغیرہ کا بھی بخوبی لحاظ حسب مرضی رہیگا۔

کچہریوں اور دفتروں کے جملہ کاغذات ضروری بھی بکفایت تمام اِس مطبع میں چھپ سکتے ہیں۔

سب صورتوں میں چھپائی کا نصف روپیہ حسب دستور مطبع پیشگی لیا جائیگا۔

نرخ چھپائی

کتابیں مختلف سائز (تقطیع) پر طبع ہوتی ہیں۔ اور کاغذ مختلف وزن اور مختلف نمبروں کے ہوتے ہیں۔ ان اختلافات سے نرخ چھپائی میں بھی اختلاف ہوتا ہے اسواسطے صاحبانِ فرمائش کو جس سائز۔ جس نمبر اور جس وزن کے کاغذ پر کتاب چھپوانی منظور ہو اُس کا نرخ خط وکتابت سے طے فرمالیں۔ سائز حسب ذیل پیمانہ کے ہوتے ہیں۔

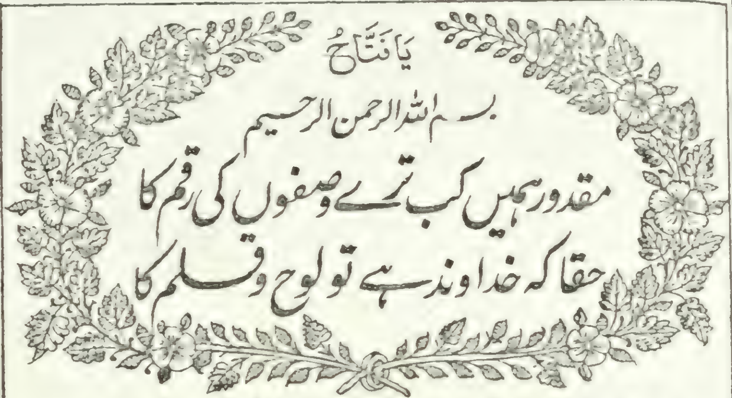
۲۲×۱۸ و ۲۰×۲۶ و ۱۷×۲۷ و ۲۰×۳۰ و ۲۲×۲۹ وغیرہ

المشتہر

مجید الدین احمد مالک مطبع اکبری آگرہ۔ محلہ نئی بستی

ممالک متحدہ آگرہ واودھ





سبحان اللہ- والحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم- سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا و لا معرفۃ الا ما الھمتنا انک انت العلیم الحکیم- وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ الہ و اصحابہ و ازواجہ اجمعین

برحمتک یا ارحم الراحمین

آج کل اہلِ یورپ ہر قسم کے علوم و فنون میں ترقی کرتے ہوئے آسمانِ کمال پر پہنچتے جاتے ہیں- اُن کی علمی قدر دانی کا یہ حال ہے کہ وہ ہزاروں لاکھوں روپیہ صرف کرکے نہ صرف اپنے بلکہ دیگر مشرقی قوموں کے مصنفوں- مؤلفوں- صنّاعوں- مصوّروں اور دیگر اہلِ کمال لوگوں کے حالات زندگی نہایت تلاش و جستجو سے بہم پہنچا کر اُن کو جزز جاں بناتے ہیں اور اُن سے سبق حاصل کرکے ترقی کے معراج کمال پر پہنچتے جاتے ہیں- وہ نامور شعرا اور مصنفوں کی یادگاریں قائم کرکے اُن کے یادگار کی چیزوں کو نہایت عزّت و افتخار کے ساتھ بطور تبرک بڑے بڑے

غفلت میں سوئے ہوئے ہیں کہ کسی طرف توجہ نہیں کرتے اور روز بروز قعر مذلت میں گرتے جاتے ہیں۔ ہماری اس خواب غفلت۔ لا پرواہی۔ خود مطلبی سے ہمارے سیکڑوں ہزاروں مشاہیر کے حالات گوشۂ گمنامی میں ایسے ناپدید ہوگئے کہ قیامت تک اُن کا پتہ چلنا مشکل ہے بقول شیخ سعدی رح ؎

بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند	کز ہستیش بروے زمیں یک نشاں نماند

شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد نہایت دلسوزی سے تحریر فرماتے ہیں

میرے دوستو زندگی کے معنی کھانا۔ پینا۔ چلنا۔ پھرنا۔ سو رہنا۔ اور منہ سے بولے جانا۔ نہیں ہے۔ زندگی کے معنی یہ ہیں کہ صفات خاص کے ساتھ نام کو شہرت ہو۔ اور اُسے بقاے دوام ہو۔ اب انصاف کرو کیا یہ تھوڑے افسوس کا موقع ہے کہ ہمارے بزرگ خوبیاں بہم پہنچائیں اُنہیں بقائے دوام کے سامان ہاتھ آویں اور اِس پر نام کی زندگی سے بھی محروم رہیں۔ اُن کے کاموں کا اس گمنامی کے ساتھ صفحۂ ہستی سے مٹنا بڑے حیف کی بات ہے۔ جس مرنے پر اُن کے اہل و عیال روئے وہ مرنا نہ تھا۔ مرنا حقیقت میں ان باتوں کا مٹنا ہے۔ جس سے انکے کمال مرجائینگے اور یہ مرنا حقیقت میں سخت غمناک ہے۔

ہماری اِس لاعلمی سے روز بروز بزرگان سلف کی عظمت ہمارے دلوں سے کم ہوتی جاتی ہے۔ ایک انگریزی مصنف کا قول ہے "کہ وہ قوم کبھی آیندہ ترقی کی اُمید نہ رکھے جس کو اپنی گذشتہ عظمت پر ناز

عجائب خانوں میں رکھتے ہیں۔ اُن کے جائے پیدائش کے نقشے اُتار کر اُن سے جنتریوں اور کتابوں کے اوراق کو مزین کرتے ہیں۔ اُن کی یادگاریں اُن کی پیدائش کے دن میلے قائم کرتے ہیں۔ انگلستان میں وہاں کے مشہور ڈراما نویس شکسپیر کی پیدائش کے دن ہر سال میلہ ہوتا ہے۔ جس میں اس فاضل کی وہ چوکی جسپر وہ ایام زندگی میں بیٹھا کرتا تھا بطور تبرک اور عجیب شے کے پیش کیجاتی ہے اور ہزاروں لوگ دور دور سے اُسے دیکھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اسی طرح مدت سے مشہور شاعر عمر خیام کی یادگار میں ایک کلب قائم ہے جسمیں اس صاحبِ کمال کی رباعیات نہایت ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں اور انگریزی اور یورپ کی دیگر زبانوں میں اُن کی رباعیات کے متعدد ترجمے شایع کئے گئے ہیں۔ مشہور و مقبول مصنف لارڈ مکالے کے دس دس جگہ کاٹ پھانس کئے ہوئے مسودے نہایت اعزاز سے آج تک لندن میوزیم (عجائب خانہ) میں رکھے ہوئے زیارت گاہ خاص و عام ہیں۔ اسی طرح فریرا (اٹلی کے شمالی حصہ میں ایک مقام ہے) کے مشہور مصنف ایریسٹو کے آٹھ آٹھ جگہ کاٹے ہوئے مسودے نہایت عزت سے اب تک محفوظ رکھے گئے ہیں۔

برعکس اس کے مسلمان جو آٹھویں صدی ہجری تک علمی سرمایوں پر تنہا قابض تھے اور جن کے ہادی برحق کا یہ ارشاد ہے اذکر و محاسن موتاکم یعنی اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کرو۔ آج کل ایسے خواب

حسن و عشق ہی کے میدان میں کمال دکھایا ہے بلکہ کمالات انسانی کے ہر میدان میں قدم مارا ہے۔ ان کی تصنیف و تالیف اور حالاتِ زندگی طالبان نصیحت کے لئے ناصح مشفق۔ اہلِ نظر کے لیے بصیرت۔ غافلوں کے لئے خواب غفلت سے بیدار کرنے کا آلہ۔ مردہ دلوں میں جان ڈالنے کے لئے دمِ عیسیٰ سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

اِس باکمال کی سوانح عمری میں جو علمی اور اخلاقی خوبیوں سے مرصع ہے یہ امر بھی نہایت دلچسپ ہے کہ اقلیمِ تصنیف و تالیف میں ہماری زبان اُردو کی عالیشان عمارت کا بنیادی پتھر اسی صاحب کمال کے مبارک ہاتھ سے رکھا گیا تھا۔

میں اِن پراگندہ اوراق میں اِس برگذیدہ روزگار کے یہ ناکمل حالات پیش کرتا ہوں اور سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ میری علمی استعداد ہرگز اس قابل نہیں کہ ایسے باکمال کے کمالات کا حال لکھ سکوں۔ نہ میں شاعر ہوں کہ اُن کے نکات شاعری کا اظہار کرسکوں۔ محض جوش عقیدت میں مجذوب کی بڑ کی طرح یہ حالات لکھ مارے ہیں ورنہ اُن کے اوصاف و کمال کا حال وہی لکھ سکتا ہے جو ویسا ہی صاحبِ کمال ہو ؎

ہو جو اُس جیسا تو وصف اُسکا لکھے	آج اُس جیسا مگر پیدا کہاں

قدردان ناظرین کی خدمت میں بصد عجز التماس ہے کہ کوئی مضمون کوئی کتاب کوئی علم ایک مصنف یا مؤلف کے بیان میں محصور نہیں ہو سکتا اور کتب تاریخ کا اختلاف بھی ماہرین فن تاریخ پر بخوبی ظاہر ہے پس اگر اس ناچیز کتاب میں کوئی غلطی اور خطا ملاحظہ فرمائیں تو اُس کو دامنِ عفو میں

نہیں ہے" بڑے بڑے فضلا کا اِس امر پر اتفاق ہے کہ گذشتہ مشاہیر قوم کے کارنامے افسردگانِ قوم کے ولولے بڑھاتے ہیں۔گذشتہ مصائب سے نصیحت اور عبرت حاصل کرنا ترقی اور بہبودی کی جڑ ہے۔بزرگوں کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ ہم کو سکھاتے ہیں کہ ہم بھی اپنی زندگی اسی طرح اعلیٰ بنا سکتے ہیں۔اُن کی تصنیفیں تالیفیں اُنکی زندہ یادگاریں دنیا میں موجود ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اُن سے مستفیض ہوسکتے ہیں ؎

نہ سعدی و نہ فرزوق درجہاں باقی ست	ولے مناقب و ذکرِ سخنوراں باقی ست
کجاست خسرو[51] پرویز جاہ و شوکتِ او	نہ طاقدیسی[52] ولے گنج شائگاں[53] باقی ست
جہان و انچہ درو ہست جملہ وقف فناست	ولے زفیضِ سخن حالِ رفتگاں باقی ست

کیا یہ افسوس کی بات نہیں تھی کہ ہندوستان کی سب سے بڑی دلیسی زبان یعنی اُردو میں ہندوستان کے بلبلِ ہزار داستاں فخر الشعرا اعلم علماء صاحبِ اختراع و ایجاد جناب حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی موجود نہ تھے۔یہ صاحبِ کمال جس کا نام نامی آفتاب کی طرح روشن اور جن کی تصنیف و تالیف اور کلام معجز نظام کسی تعریف و توصیف کا محتاج نہیں ہے دماغ انسانی کے کمالات کا ایسا اعلیٰ نمونہ تھا جو عام نہیں ہے۔یہ ہی نہیں کہ وہ ہندوستان کی پرانی ہمدم یعنی عاشقانہ شاعری کے دربار کے ایک اعلیٰ رکن تھے۔نہ صرف اُنہوں نے

[51] نام شاہ عجم ۱۲ [52] نام تخت خسرو پرویز ۱۲ [53] نام خزانہ خسرو پرویز ۱۲

خاص خاص کتابوں کی فہرست
جن سے یہ سوانح عمری ماخوذ ہے

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	زبان	مطبوعہ یا قلمی
۱	مثنوی قران السعدین	حضرت امیر خسرو دہلوی رح	فارسی	مطبوعہ مطبع منشی نولکشور
۲	" مطلع الانوار	"	"	"
۳	" ہشت بہشت	"	"	"
۴	" لیلی مجنوں	"	"	"
۵	" خضر نامہ یا خضر خاں دول رانی	"	"	قلمی موجودہ کتب خانہ جے پور
۶	خیالات خسرو یا انشائے خسرو	"	"	"
۷	خزائن الفتوح یا تاریخ علائی	"	"	"
۸	رسائل الاعجاز یا اعجاز خسروی	"	"	مطبوعہ مطبع منشی نولکشور
۹	عناصر خسرو	"	"	"
۱۰	ملفوظات خواجگان چشت	مترجمہ و مرتبہ مولوی غلام احمد خان بریاں	اردو	مطبوعہ مسلم پریس جھجر
۱۱	تذکرہ آتشکدہ آذر	حاجی لطف علیخان آذر	فارسی	مطبوعہ فتح الکریم پریس بمبئی
۱۲	تذکرہ دولت شاہ	دولت شاہ بن علاء الدولہ بختی شاہ سمرقندی	"	مطبوعہ
۱۳	" مراۃ الخیال	شیر خان	"	قلمی
۱۴	" خزانۂ عامرہ	علامہ زماں میر غلام علی آزاد بلگرامی	"	مطبوعہ مطبع منشی نولکشور
۱۵	" کلمات الشعرا	محمد افضل سرخوش	"	قلمی
۱۶	" شمع انجمن	نواب محمد صدیق حسن خان مرحوم	"	مطبوعہ رئیس المطابع شاہجہانی بھوپال
۱۷	" نگارستان سخن	سید نور الحسن	"	"
۱۸	جواہر فریدی	شیخ علی اصغر فریدی	"	قلمی

چھپا کر از راہ ہمدردی مطلع فرمائیں اور اِس خاکسار کو انگشت نمانہ فرمائیں۔
بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ؎

تو نیز ار بدی بینی اندر سخن	بخلق جہاں آفریں کار کن

اور جن صاحبوں کو کوئی مضمون پسند آوے تو اُسے محض تائید الٰہی سمجھکر شکر خداوند قدیر کا بجا لاویں اور مجھ گنہگار عاجز و شرمسار کے حق میں دعاے خیر اور سلامتی ایمان کی فرماویں۔ رباعی

از خاطرِ حق پذیر یاراں	یک فاتحہ التماس دارم
تا کار شکستہ بر آید	آں دامنِ شاں نمی گذارم

اب میں نہایت صدق دل سے اپنے مخدوم جناب مولوی محمد وارث علی صاحب سابق اڈیٹر اخبار اسلام آگرہ و صاحبِ شمس التواریخ و سانحہ کربلا وغیرہ کا جن کی ادنیٰ توجہ سے بقول حضرت امیر خسرو رح ؎

شمع من یافتہ ضیا ازوے	مسِ من گشتہ کیمیا ازوے

اور جناب مولوی محمد معین الدین صاحب اکبرآبادی سررشتہ دار کلکٹری متھرا اور جناب منشی محمد طٰہٰ صاحب مارہروی اور جناب منشی محمد عابد علی صاحب ایٹھوی اور جناب منشی محمد عزیزالدین صاحب فتحپوری کی اُس امداد کا جو اُنہوں نے اِس کتاب کی تکمیل میں مجھے دی ہے تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور

بارگاہِ خداوند قدیر میں دست بدعا ہوں

کہ اِس ناچیز کتاب کو قبول عام کا درجہ نصیب ہو اور اسکے پڑھنے اور سننے والوں کو سعادت دارین حاصل ہو۔ آمین و افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد

بندۂ گنہگار امیدوار مغفرت پروردگار

محمد سعید احمد ابن مولوی محمد سلطان احمد ساکن مارہرہ ضلع ایٹہ

ممالک متحدہ آگرہ و اودھ

یکم رمضان ۱۳۲۱ھ مطابق ۲۱۔ نومبر ۱۹۰۳ء



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ- پیدائش اور بچپن کے حالات

سنہ ہجری کی ساتویں صدی کے شروع میں جبکہ چنگیز خانی مغلوں کے ظلم وستم اور کشت وخون کے سیلاب نے اسلامی دنیا کو تہ و بالا کر رکھا تھا اور اِس خونخوار انقلاب سے بچنے کے واسطے سیکڑوں ہزاروں اعلیٰ و ادنیٰ اسلامی خاندان اپنے پیارے وطن

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	زبان	مطبوعہ یا قلمی
۱۹	سبع سنابل	مولانا میر عبدالواحد بلگرامی رح	فارسی	مطبوعہ مطبع نظامی کانپور
۲۰	سفینۃ الاولیا	شاہزادہ داراشکوہ	"	" مدرسہ آگرہ
۲۱	سیرالاولیا	مولانا سید محمد مبارک العلوی الکرمانی	"	مطبوعہ مطبع محب ہند دہلی
۲۲	مونس الارواح	شاہزادی جہاں آرابیگم	"	قلمی
۲۳	تذکرۃ الاولیاے ہند		اُردو	میور پریس دہلی
۲۴	فوائد الفواد اُردو	امیر حسن علا سنجری دہلوی مترجمہ غلام احمد خاں بریان	"	مسلم پریس جھجر
۲۵	تذکرۃ الواصلین	مولوی محمد رضی الدین بدایونی	"	مطبوعہ مطبع رائے صاحب گلاب سنگھ
۲۶	تذکرۃ الکاملین	بابو رام چندر	"	مطبوعہ مطبع مطلع العلوم دہلی
۲۷	مطلع العلوم	منشی واجد علی خان	فارسی	مطبوعہ مطبع منشی نولکشور
۲۸	تاریخ فرشتہ	ملّا ابوالقاسم فرشتہ	"	"
۲۹	" منتخب التواریخ	ملّا عبدالقادر بدایونی	"	"
۳۰	بہارستان جامی	مولانا جامی رح	"	"
۳۱	نفحات الانس	ایضاً	"	"
۳۲	تاریخ جدولیہ	خادم علی فاروقی	اُردو	"
۳۳	تذکرہ آب حیات	شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد	"	مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۳۴	تاریخ ہند جلد اول و دوم	شمس العلما مولوی محمد ذکاءاللہ خان بہادر	"	مطبوعہ دہلی
۳۵	تاریخ فیروزشاہی	مولانا ضیاءالدین برنی رح	فارسی	مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ
۳۶	بادشاہ نامہ	ملّا عبدالحمید لاہوری	"	"
۳۷	سیرالمتاخرین	میر غلام حسین	"	"
۳۸	تُوزک جہانگیری	شہنشاہ جہانگیر	"	مطبوعہ علیگڈھ
۳۹	اورینٹل بایوگرافیکل ڈکشنری	ٹامس ۔ ولیم ۔ بیل	انگریزی	مطبوعہ کلکتہ
۴۰	تاریخ ہند	سرجان ایلیٹ	"	"

عظیم الشان شہرت نے اپنی کشش مقناطیسی سے اِس صاحب کمال کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ بہر حال چاہے جو وجہ ہو۔ ہندوستان نے اپنے عزیز مہمان کو سر آنکھوں پر لیکر نصیبے کی یاوری سے شاہی دربار تک پہنچا دیا۔ دہلی کے تخت پر اُس وقت سلطان شمس الدین[۵۱] التمش رونق افروز تھا۔ اِس قدر دان اور کمال پرور سلطان نے امیر سیف الدین محمود کی خدا داد قابلیت اور پسندیدہ اوصاف کو دیکھ کر بہت جلد اپنے امراء کی سلک میں منسلک فرمایا۔

امیر سیف الدین محمود نے ہندوستان میں نواب عماد الملک[۵۲] کی دختر نیک اختر سے جو علم و فضل سے موصوف اور زیور صلاح و تقویٰ سے آراستہ و پیراستہ تھیں شادی کی۔ اور اِس عفیفہ کے

۵۱ سلطان شمس الدین التمش دہلی کے نیکنام بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ ہندوستان میں سب سے پہلے اِسی باعظمت بادشاہ کے واسطے ۶۲۶ھ/۱۲۲۸ء ہجری میں عباسی خلیفہ نے مصر سے خلعت اور القاب بھیجا تھا اِس کی خوشی میں بادشاہ نے تمام شہر میں آرائش کی اور خوب جشن منائے۔ ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء میں یہ بادشاہ تخت نشین ہوا اور ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء کو وفات پائی۔

۵۲ نواب عماد الملک فاضل کامل بلکہ جامع الکمالات بزرگ تھے۔ ان کا شمار اولیاء اللہ میں ہوتا ہے کمالات صوری و معنوی کے ساتھ امارت خاندانی کا بھی جوہر رکھتے تھے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی صفت دیباچہ دیوان غرۃ الکمال میں تحریر فرمائی ہے۔ آپ کا مکان دہلی میں متصل دروازہ مندہ پل کے تھا۔ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے بعد واپسی اجودھن کے اوّل اِسی مکان کے قریب قیام فرمایا تھا۔

اور املاک کو خیرباد کہکر نہایت پریشانی اور بد حواسی سے بھاگتے پھرتے تھے۔ ترکوں کے ایک نامی سردار امیر سیف الدین محمود نے سرزمین ہند میں قدم رکھا اور قصبہ مومن آباد میں جو اب پٹیالی کے نام سے موسوم اور ضلع ایٹہ میں گنگا کے کنارے واقع ہے سکونت اختیار کی +

ہمارے موجودہ زمانہ میں ترک سکونت اور تبدیل وطن کرنا ایک بہت دشوار اور ناممکن امر خیال کیا جاتا ہے لیکن جس زمانہ میں کہ مسلمانوں کے اقبال کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا تھا اور اُن کی سلطنت کا پھریرا ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں اور بعض حصص یورپ پر لہرا رہا تھا وہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں تبدیل وطن کرنا ایسا ہی آسان سمجھتے تھے کہ جیسے آج ہم دخانی انجن کے بدولت ہندوستان میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانا آسان سمجھتے ہیں +

امیر سیف الدین محمود کے حالات صرف اِس قدر معلوم ہیں کہ وہ ترکوں کے قبیلے لاچین کے سردار اور اُمرائے ہزارہ بلخ سے تھے اور قریش کے اطراف میں رہتے تھے +

اِس امر کا پتہ نہیں چلتا کہ ہندوستان کو امیر سیف الدین محمود کی میزبانی کا فخر مغلوں کے ظلم وستم کی وجہ سے حاصل ہوا یا اِس جنت نشان کی سرسبزی و زرخیزی اور مہمان نوازی کی

بڑھ جائیگا۔ اِس کے بعد دعا دی کہ اللہ تعالیٰ اِسکو ہر دل عزیز کرے[۱]

چار برس کی عمر تک امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ناز و نعمت سے پٹیالی میں پرورش پائی۔ اِس کے بعد اپنے والد ماجد کے ہمراہ دہلی تشریف لائے۔ اِن کے بچپن اور تعلیم و تربیت کے حالات صرف اِس قدر معلوم ہوئے ہیں کہ آٹھ برس کی عمر تک اپنے باپ اور بھائیوں کی صحبت میں جو زیور علم اور لباسِ فضل و کمال سے آراستہ اور صفاتِ حمیدہ سے موصوف تھے تحصیل علم و کمال کرتے رہے۔ جب نویں برس میں قدم رکھا شفقتِ پدری کا مبارک سایہ سر سے اُٹھ گیا یعنی امیر سیف الدین محمود نے جن کی عمر اُس وقت پچیاسی ۸۵ برس کی تھی کسی لڑائی میں کفار کے ہاتھ سے شہادت پائی +

بنی نوع انسان کے وہ افراد جنہیں صانع قدرت صفتِ کمال سے موصوف کرتا ہے ابتداے عمر ہی سے اپنے ابناے جنس سے صاف الگ نظر آتے ہیں۔ ہندی میں مثل مشہور ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" چنانچہ امیر خسروؒ کی رسائی ذہن اور طبیعت کی برّاقی کا اِس عمر ہی میں یہ حال تھا کہ جس وقت انہیں اپنے والد ماجد کی شہادت کا حال معلوم ہوا اُن کے مرثیہ میں فوراً یہ بیت موزوں کی ؎

[۱] خزانہ عامرہ۔ مونس الارواح۔ تذکرۃ الاولیاے ہند۔ سیر الاولیا ۱۲

بطن سے اوّل اعز الدین علی شاہ اور اُن کے بعد حسام الدین احمد پیدا ہوئے اور ۶۵۳ھ[۱] ۱۲۵۵ء میں بمقام پٹیالی اُس صاحب کمال نے عالم ارواح سے کشور اجسام میں قدم رکھا جسے علم و فضل کے عالیشان دربار سے خسروِ اقلیم سخن کا خطاب عطا ہوا اور اُسکی فصاحت و بلاغت تصنیف و تالیف نے اُس کو بقائے دوام کے دربار میں معزز جگہ عطا فرمائی *

امیر سیف الدین محمود نے اپنے نو مولود فرزند کا نام ابوالحسن رکھا جو اِس خسروِ اقلیم سخن کے تخلص خُسرو کے آگے مشہور نہ ہوا البتہ خاندانی خطاب کا خوش نما طرّہ مزیّن کرکے امیر خسرو کر دیا گیا *

منقول ہے کہ امیر سیف الدین محمود کے مکان کے قریب ایک مجذوب صاحبِ حال رہتے تھے جس وقت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ آپ اُن کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر اُن مجذوب کی خدمت میں لے گئے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی اُن مجذوب نے فرمایا کہ یہ لڑکا عارف باللہ اور یگانۂ روزگار ہوگا قیامت تک اِس کا نام یادگار رہیگا۔ اور دو قدم خاقانی سے آگے

---

[۱] امیر خسرو رح کے سنہ پیدائش میں مورخوں نے اختلاف کیا ہے لیکن امیر خسرو رح قران السعدین میں جو ۶۸۸ھ کی تصنیف ہے اپنی عمر ۳۶ برس تحریر فرماتے ہیں۔ جسکے حساب سے ۶۵۳ھ صحیح نکلتے ہیں [۲] الحجہ بتاریخ ز ہجرت گذشت * بود سنہ شش صد و ہشتاد و ہشت سال من امروز اگر بر رسی * راست بگویم ہمہ شش بود و سی *

لحاظ سے حاصل ہے کہ اُنہوں نے آپ کی مشہور تصنیف پنج گنج کی اصلاح فرمائی ہے - دیوان غرّۃ الکمال کے دیباچہ اور پنج گنج کے آخری گنج یعنی مثنوی ہشت بہشت میں حضرت امیر خسروؒ نے آپ کے علم و فضل کی بہت کچھ تعریف کرکے اُن کی شاگردی کا اعتراف کیا ہے جس کے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

(علم و فضل کی تعریف و توصیف کے بعد تحریر فرماتے ہیں)

نور دل چون بعالم افگندہ	سایہ برکارِ من ہم افگندہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶) تاج الدین سنگریزہ نے اُن کی مدح میں فرمایا ہے ؎

شمسا کنوں بکامِ دلِ دوستان شدی　　فرماں دہِ ممالکِ ہندوستاں شدی

قبل خدمت سلطانی کے یہ طلباء کے درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے اور ایک حجرہ مطالعہ خاص کے واسطے مخصوص کر رکھا تھا۔ تین شاگرد خاص جو صاحبِ استعداد ہوتے تھے وہ اُس حجرہ میں مولانا سے سبق پڑھتے تھے بقیہ شاگرد باہر تعلیم پاتے تھے۔ بڑے بڑے بزرگ اور اولیاء اللہ مثل حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ اور مُلّا قطب الدین ناقلہ اور مُلّا برہان الدین عبد الباقی کی اُستادی کا فخر آپ کو حاصل تھا۔ نمونہ کے طور پر آپ کے اُس مقدس قصیدہ سے جو سلطان ناصر الدین محمود کی مدح میں لکھا ہے چند شعر درج کئے جاتے ہیں :-

این ہمہ کار دلم از تو بہ نادانی خام　　دادۂ دوش مرا وعدۂ مہمانی خام
پختہ کردم ہمہ شب چشم ندانستم کاں　　طمعے بود ازاں گونہ کہ میدانی خام
شاہ محمود شہ آں سلطاں کز و فر پدر　　دیگ در آرزویش نیست ز سلطانی خام
خسروا شمس دبیر است قوی پختہ سخن　　نیست چوں دفتریاں سوختہ دیوانی خام
ہست آویختہ شعرش چو زر پختہ و نیست　　سخنش چوں سخنِ پختۂ خاقانی خام
پختہ کردست فلک بہرِ تو ملکت یارب　　پختۂ او بکرم باز نہ گردانی خام

سیف از سرم گزشت و دلِ من دونیم شد
دریائے ما رواں شد و دُرِّ یتیم ماند

امیر سیف الدین محمود کی شہادت کے بعد اُن کے بڑے بیٹے اعز الدین علی شاہ اُن کے قائم مقام ہوئے۔ لیکن امیر خسروؒ کی تعلیم و تربیت اُن کے صاحبِ کمال نانا نواب عماد الملک نے جن کی عمر اُس وقت ایک سَو تیرہ ۱۱۳ برس کی تھی نہایت شفقت سے اپنے ہاتھ میں لی اور اِس قدر توجہ اور التفات آپ کی طرف مبذول فرمائی کہ بہت تھوڑی مدت میں اُنہوں نے جملہ علوم عقلی و نقلی میں جو اُس عہد میں مروج تھے سند فضیلت حاصل کی۔ اور فضلائے عہد میں شمار ہونے لگے۔

منقول ہے کہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا سارا خاندان باعتبار علم و فضل کے آفتاب تھا۔ جب اُنہوں نے اوّل اوّل اشعار موزوں کرنا شروع کئے تو اپنے بڑے بھائی اعز الدین علی شاہ کو دکھاکر اُن سے اصلاح لیا کرتے تھے تاکہ کوئی سقم نہ رہجائے۔ امیر خسروؒ کی اُستادی کا فخر خواجہ شمس[۱] الدین خوارزمی کو بھی اِس

[۱] خواجہ شمس الدین خوارزمی فاضلِ متبحر اور علمائے کبار سے تھے اور شاعری میں بھی کمال رکھتے تھے یہ سلطان ناصر الدین محمود شاہ کے عہد (۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء لغایۃ ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء) کے سب سے بڑے عالم اور شاعر مشہور تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے عہد کے اخیر زمانہ میں انکو شمس الملک کا خطاب عطا فرماکر اور صوبہ بنگال کا میر منشی کرکے اپنے بیٹے نصیر الدین بغرا خاں کے پاس بھیجدیا تھا۔ (دیکھو صفحہ)

ہو چکے تو نوشدار وے حقیقت یعنی کمالاتِ باطنی کے حصول کا شوق دامنگیر ہوا اُس وقت دہلی میں حضرت سلطان المشایخ[۵۱] رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت و ارشاد کا بازار گرم تھا اور اُن کے انفاسِ متبرکہ سے فیض و برکت کے چشمے جاری تھے۔ جس سے ایک عالم سیراب ہو رہا تھا۔ امیر خسرو ؒ بھی نہایت صدق دل سے حضرت سلطان المشایخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت با برکت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے چشمِ بصیرت سے اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ تیری پیشانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے گلشنِ ولایت سے تجھے نفع پہنچیگا۔ یہ سنکر امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ فوراً شرف بیعت حضرت سلطان المشایخ رحمۃ اللہ علیہ سے مشرف ہو کر زمرۂ مریدان جان نثار میں شامل ہوئے[۵۲]

۵۱ سلطان المشایخ رح سے مراد حضرت محبوب الٰہی نظام الدین محمد بدایونی قدس سرہٗ سے ہے۔ کل کتاب میں جہاں لفظ سلطان المشایخ رح آیا ہے آپ ہی کی ذات والا صفات سے مراد ہے۔ آپ کا مختصر حال ضمیمہ میں تحریر کیا گیا ہے ۱۲

۵۲ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ ۶۸۵ھ / ۱۲۸۶ء میں جب سلطان معزالدین کیقباد نے موضع کیلو گڈھی میں جو متصل غیاث پور جائے قیام حضرت سلطان المشایخ رح کے قریب تھا قصر شاہی اور قلعہ تعمیر کرایا اور شہر آباد کر کے جامع مسجد بنائی اُس وقت سے ایک انبوہ کثیر آدمیوں کا حضرت سلطان المشایخ رح کے پاس آنے لگا اور اسی زمانہ میں امیر سیف الدین لاچین مع اپنے لڑکوں اعز الدین علی شاہ اور حسام الدین اور ابو الحسن (خسرو) کے حضرت کے مرید ہوئے اور اُس وقت امیر خسرو رح کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ تاریخی تحقیقات سے یہ روایت غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ ۶۸۵ھ میں امیر خسرو رح کی عمر بائیس[۲۲] یا تیئیس[۲۳] برس کی تھی اور اُن کے والد کا انتقال اُنکی نو برس کی عمر میں ہو چکا تھا اور امیر خسرو ؒ ۶۸۵ھ سے پہلے حضرت کے مریدوں میں...

سن بدو عرضہ کردہ نامۂ خویش
دید ہر نکتہ را رقم بہ رقم
ایں دقائق کہ شد زمغزش پوست
شمع سن یافتہ ضیا از وے
ہرچہ او گفت من نہادم گوش
وانچہ ننمود و من نجستم پے
صد ہزار آفریں براں دلِ پاک
انچہ او دید بس نہایت دید
یارب او چوں بہ پنج نامۂ من
نامۂ او کہ حرز جانش باد

او باصلاح راند خامۂ خویش
رنج بر خود نہاد منت ہم
مو بمو شعر بیز کردۂ اوست
مسِ من گشتہ کیمیا از وے
برکشیدم مگس زشربتِ نوش
عیب آں بر من است نے بر وے
کہ بروں برد زیں چمن خاشاک
خس و خارے زگلشنے برچید
برد بیروں خطاے نامۂ من
در قیامت خطِ امانش باد

باب دوم

امیر خسرو رح کا حضرت سلطان المشایخ رح کا مرید ہوکر صوفیانِ صافی دل کے زمرہ میں شریک ہونا اور اسکے متعلق دیگر حالات۔ اور عشق و محبت کا دلچسپ اور دلفریب مرقع

جب امیر خسرو رح علم و فضل کے کمالات ظاہری سے فیضیاب

میں چند روز سے رونا آتا ہے۔ حضرت سلطان المشایخ رح نے فرمایا کہ الحمد للہ کچھ ظہور ہونا شروع ہوا۔

چند روز کے بعد حضرت سلطان المشایخ رح نے امیر خسرو رح کو خرقہ خلافت عطا فرماکر ترک اللہ کا خطاب مرحمت فرمایا۔ لیکن محبت سے کبھی کبھی صرف ترک ہی سے مخاطب فرمایا کرتے تھے امیر خسرو رح فرماتے ہیں۔

برزبانت چوں خطاب بندہ ترک اللہ رفت		دست ترک اللہ بگیر و ہم باللہش سپار
چوں من مسکیں ترا دارم ہمینم بس بود		شیخ من بس مہربان و خالقم آمرزگار

صاحب سیر الاولیا نے اس خطاب کی نسبت امیر خسرو رح کی یہ عبارت نقل کی ہے

بندہ را خواجہ ترک اللہ خطاب کردہ است و چندیں فرمان موشح و مزین بخط مبارک ایشاں بدیں خطاب درحق بندہ مبذول بودہ و بندہ آں را تعویذ ساختہ تا بوقت دفن برابر بندہ باشد فردائے قیامت رحمٰن بحق من بیچارہ بداں کاغذہا بخشائد۔ انشاء اللہ تعالی الکریم ؎

در پیش تو لے از ہمہ کس بسکہ منم		در راہ غمت کمینہ ترخس کہ منم

ایک مرتبہ کسی مرید نے حضرت سلطان المشایخ رح سے عرض کیا کہ جیسی عنایت و مہربانی امیر خسرو رح کے حال پر ہے اُمیدوار ہوں کہ بندہ کے حال پر بھی مبذول فرمائی جاوے۔ آپ نے جواب دیا کہ اپنے میں ویسی قابلیت تو پیدا کرلو۔

امیر خسروؒ خود فرماتے ہیں ؎

کالبدِ سوختہ بر جاں رسید	مردہ بسر چشمۂ حیواں رسید
کار شناس از نظرِ دور بیں	شد ز دلِ تیرۂ من نور بیں
دیدہ زرم را بتہِ کورہ در	علتِ بیمار بقارورہ در
گفت ز سیمائے تو شد روشنم	کت نفسے می رسد از گلشنم

حلقۂ مریدانِ جان نثار میں شامل ہوکر امیر خسرو رح نے اِس قدر ریاضات شاقہ فرمائیں کہ حضرت سلطان المشایخ رح کی توجہ سب مریدوں سے زیادہ اِن کی طرف مبذول ہوئی۔ اور انھوں نے اپنے اخلاص اور اعتقاد سے بہت جلد حضرت کی خدمت میں ایسی عزت و منزلت حاصل کی کہ کسی دوسرے مرید کو میسّر نہ ہوئی۔

شاہزادی جہاں آرا بیگم بنت شہنشاہ شاہجہاں سے کتاب مونس الارواح میں منقول ہے کہ عنایت حضرت سلطان المشایخ رح کی امیر خسرو رح پر اس درجہ تھی کہ آپ فرماتے تھے کہ میں سب سے تنگ ہوتا ہوں مگر اے ترک تجھ سے تنگ نہیں ہوتا۔ اور ایک روز فرمایا کہ میں سب سے تنگ ہوتا ہوں یہاں تک کہ اپنے سے خود تنگ ہو جاتا ہوں مگر تجھ سے کبھی تنگ نہیں ہوتا۔

صاحب سیر الاولیا تحریر فرماتے ہیں کہ ابتدائے حال میں ایک دن حضرت سلطان المشایخ رح نے امیر خسرو رح سے دریافت کیا کہ شغل عبادت کا کیا حال ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ آخری شب

امیر خسرو رح خود فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے دل میں خیال گذرا کہ میرا تخلص خسرو اہل دول سے نسبت رکھتا ہے اگر فقرا کی طرف منسوب ہوتا تو کیا خوب ہوتا تاکہ قیامت کے دن میں اُسی نام سے پکارا جاتا۔ میں نے ایک دن یہ امر حضرت سلطان المشایخ رح سے عرض کیا کہ میری تمنا ہے کہ قیامت کے دن مجھ کو فرشتہ خسرو کہکر نہ پکاریں کیونکہ یہ نام متکبر ہے حضرت نے فرمایا کہ وقت سعید میں تیرا تخلص رکھا جاویگا۔ پھر چند روز کے بعد ارشاد فرمایا کہ مجھے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ صحرائے محشر میں تجھے محمدؐ کاسہ لیس کہکر فرشتہ بلاوینگے۔

امیر خسرو رح خود فرماتے ہیں کہ ایک دن بعد فارغ ہونے وظائف صبح کے حضرت پیر روشن ضمیر نے بندہ کو طلب فرمایا اور ارشاد کیا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے تو بھی سن۔ شب آدینہ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ صدر الدین پسر شیخ بہاؤ الدین رح میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے اُن کی تعظیم کی اور اُنہوں نے ایسی تواضع کی کہ بیان سے باہر ہے اس کے بعد دیکھا کہ اے ترک تو دور سے پیدا ہوا اور میرے پاس آکر بیان معرفت شروع کیا اُسی وقت آذان کی آواز سنی اور میں بیدار ہوا۔ اس کے بعد زبان الہام بیان سے ارشاد فرمایا کہ دیکھ کیا مرتبہ ہے۔ میں نے نیاز مندی سے عرض کیا کہ میں ایک ناچیز بندہ ہوں یہ سب آپ ہی کا دیا ہوا ہے۔ آپ کو یہ سنکر رونا آیا اور چلا کر روئے میں بھی اُس وقت بہت رویا بعدہٗ آپ نے

علامۂ زماں میر غلام علی آزاد بلگرامی خزانۂ عامرہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس وقت امیر خسرو رح نے حضرت سلطان المشایخ رح کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی وہ نظم جو حضرت کی مدح میں لکھی تھی نظر انور سے گذرانی۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس کا کیا صلہ چاہتا ہے کیونکہ اُس زمانہ میں اِن کا میلان طبع شاعری کی طرف بہت تھا اِس وجہ سے جواب دیا کہ اپنے کلام میں شیرینی چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہماری چارپائی کے نیچے طشت میں شکر رکھی ہے اُس کو لاکر اپنے سر پر سے نثار کر اور تھوڑی اُس میں سے کھالے۔ امیر خسرو رح حضرت کا حکم بجا لائے اور شیرینی کلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ اخیر عمر میں امیر خسرو رح اپنی اِس التجا پر بہت پچتایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ افسوس ہے کہ اِس سے بہتر کوئی خواہش نہ کی۔

نفحات الانس میں عارفِ ربانی مولانا جامیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک دن حضرت سلطان المشایخ رح کے اشارے سے امیر خسرو رح خواجہ خضر کی ملاقات سے مشرف ہوئے اور خواہش لعاب دہن کی کی اُنھوں نے فرمایا کہ یہ دولت شیخ سعدی کی قسمت کی تھی۔ امیر خسرو رح نہایت شکستہ دل ہوکر حضرت سلطان المشایخ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کل حال بیان کیا۔ حضرت نے اپنا لعابِ دہن اُن کے مُنہ میں ڈالا اور برکت اُس کی ظاہر ہوئی۔

بیت دیگر

نخفت خسرو مسکیں ازیں ہوس شبہا	کہ دیدہ برکف پایت نہد بخواب شود

شیخ برہان الدین غریب رح جو خلیفہ اور مرید حضرت سلطان المشایخ رح کے تھے ایک دن اُن کی شکایت شیخ علی زنبیلی اور ملک نصرت نے حضرت سلطان المشایخ رح سے کی کہ مولانا برہان الدین پیر بنکر اور خرقہ پہنکر کمل بچھاکر بیٹھتے ہیں اور خلق کثیر اُن کے پاس جمع ہوتی ہے۔ اُنہوں نے دوکان شیخی کی خوب گرم کر رکھی ہے۔ حضرت سلطان المشایخ رح یہ حال سنکر بہت رنجیدہ ہوئے اور جب مولانا برہان الدین خانقاہ میں حاضر ہوے تو آپ اُن کی طرف متوجہ نہ ہوئے اُسی وقت خدام نے مولانا سے کہا کہ تم کو مناسب ہے کہ ابھی یہاں سے چلے جاؤ یہ جگہ تمھارے بیٹھنے کے قابل نہیں ہے۔ مولانا حیران و پریشان وہاں سے اُٹھ کر مکان پر آئے جب پیر کی مفارقت سے نہایت بیتاب ہوئے اکثر یاروں سے سفارش کرانا چاہی مگر کسی کی ہمت سفارش کرنے کی نہ پڑی آخر امیر خسرو رح کی خدمت میں التجا سفارش کی لے گئے آپ کو رحم آیا اور دستار اپنے سر سے اُتار کر اُن کی گردن میں ڈالی اور اِسی ہیئت سے سلطان المشایخ رح کی خدمت میں لے گئے۔ اُس وقت آپ کلاہ مبارک سر پر کج رکھے ہوئے وضو کر رہے تھے امیر خسرو رح نے دیکھتے ہی یہ بیت موزوں کرکے پڑھی۔ بیت

کلاہ خاص طلب فرماکر دست مبارک سے میرے سر پر رکھی اور فرمایا کہ کلمات مشایخ کو زیادہ دیکھا کرو اور یہ رباعی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمائی رباعی

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست		ملکیتِ مُلکِ سخن آن خسرو راست
آن خسروِ ماست ناصر خسرو نیست		زیرا کہ خدائے ناصر این خسرو ماست

منقول ہے کہ جب حضرت سلطان المشایخ رح بعد نماز عشا پلنگ پر تشریف لیجاتے اُس وقت آپ کے دست مبارک میں تسبیح دیجاتی تھی اور اِس کے بعد کوئی شخص سوائے امیر خسرو رح کے آپ کی خدمت میں نہیں جا سکتا تھا۔ امیر خسرو رح روزانہ تشریف لیجاتے اور حضرت کے روبرو بیٹھ جاتے تھے۔ جب آپ ارشاد فرماتے کہ ترک آج کیا خبر ہے اُس وقت یہ ہر قسم کی حکایتیں اور دن بھر کے واقعات اور دیگر راز و نیاز کی باتیں بیان کرنا شروع کرتے۔ جب کسی مرید کو حضرت کی خدمت میں کچھ التجا کرنی منظور ہوتی تو وہ اوّل ان سے کہتا اور یہ اس موقع پر حضرت کے گوش گذار کرکے اُس کی سفارش کرتے تھے۔ حضرت سلطان المشایخ ان کی خاطر سے برابر سر ہلاتے رہتے تھے اور گفتگو ختم ہونے کے بعد مناسب جواب ارشاد فرماتے تھے۔ اکثر و بیشتر ان کی سفارش منظور ہوتی تھی اسی سعادت کی نسبت امیر خسرو رح فرماتے ہیں۔

زہے سعادت و اقبال چشم آنکس را		کہ در جمال تو دستوری نظر یابد

تسلیم کرنا اور کسی بات پر معترض نہ ہونا امیر خسرو رح نذر سلطانی لیکر
دہلی سے پانی پت روانہ ہوئے اور تیسرے دن وہاں پہنچکر اپنے آنے
کی اطلاع قلندر صاحب کو کرائی اُنھوں نے فرمایا کہ آنے دو۔
امیر خسرو رح نے نزدیک پہنچکر سلام علیک کی۔ قلندر صاحب نے
اس کے جواب میں کوئی لفظ ہندی کا فرمایا جس کے معنی گانیوالے
کے ہیں۔ یہ سنکر امیر خسرو رح نے پھر سلام کیا اور کہا کہ یہ آپ کی
عنایت ہے جو میری طرف خطاب ہوا ورنہ میں ایک ناچیز بندہ ہوں
اس کے بعد قلندر صاحب نے فرمایا کہ از ہیری ہاے خود چیزے بگو
یعنی اپنی تصنیف سے کچھ کہو امیر خسرو رح نے نہایت خوش الحانی
سے اپنی وہ غزل سنائی جس کا مطلع اور مقطع یہ ہے۔

اے کہ گوئی ہیچ مشکل چوں فراق یار نیست
گر اُمیدِ وصل باشد ہمچناں دشوار نیست
چند گویندم برو زنار بند اے بت پرست
برتنِ خسرو کدامی رگ کہ آن زنار نیست

یہ غزل سنکر قلندر صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خسرو خوب
کہتا ہے۔ خوش رہیگا۔ خوش جاویگا۔ پھر یہ شعر خود پڑھے۔

دیہیم خسرواں بردلنعل اشتر است	خسرو کسے کہ حلقۂ تجرید بر سر است
عقلِ کل است علمِ لدنی بعارفاں	ایں عقل و علم جسمے ورسمے مختصر است

یہ اشعار سنکر امیر خسرو رح کو رقت ہوئی۔ قلندر صاحب نے فرمایا کہ کچھ

	ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے	

حضرت نے نظر اُٹھاکر دیکھا اور مسکراکر فرمایا کہ ترک اللہ کیا حال ہے اُنھوں نے کہا کہ یہ بندہ معافی جرائم مولانا برہان الدین رح کا خواہشمند ہے۔حضرت نے اُسی وقت مولانا کا قصور معاف فرمایا اور اُٹھ کر دونوں سے بغلگیر ہوئے[۵۱]

ایک مرتبہ سلطان علاؤ الدین خلجی نے چاہا کہ حضرت شیخ شرف الدین بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جو اولیاے نامدار اور مشایخ صاحب اسرار چشت اہل بہشت سے حضرت سلطان المشایخ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اور ایسے مست الست تھے کہ بڑے بڑے صاحب کمال درویشوں کی ہمت بھی اُن کے سامنے جانے کی نہ پڑتی تھی کچھ نذر ارسال کرے۔اُمرا سے مشورہ کیا کہ کون لیکر جاوے۔کسی کی ہمت نہ پڑی کہ قلندر صاحب کی خدمت مین حاضر ہوکر کلام کرے بعد بحث و مباحثہ سب کی یہ راے قائم ہوئی کہ امیر خسرو رح کو روانہ کیا جاوے۔بادشاہ نے ایک امیر کو حضرت سلطان المشایخ رح کی خدمت میں روانہ کیا اور اجازت چاہی۔پہلے تو آپ نے تامل فرمایا لیکن پھر کچھ سوچ کر اجازت دیدی اور چلتے وقت امیر خسرو رح کو نصیحت کردی کہ جو کچھ قلندر عاشق اللہ فرماویں اُس کو

۵۱ سیر الاولیا میں اِس روایت کو خفیف تغیر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۱۲

ہوگا وہ تیرا ہے اتفاق سے دوسرے دن بھی کچھ نہ آیا اور اسی طرح جب چار پانچ دن گذر گئے اُس وقت مجبور ہوکر آپ نے اپنے کفش مبارک اُس فقیر کو عطا فرمائے۔ اور اُس نے نہایت اعتقاد سے حضرت کے اِس عطیہ کو منظور کیا اور دہلی سے روانہ ہوا امیر خسروؒ جس زمانہ میں کہ شاہزادہ محمدؒ سلطان خان شہید کی مصاحبت میں ملتان رہتے تھے ہر سال اُس کے ہمراہ ایک بار دہلی آیا کرتے تھے اُسی زمانہ میں دہلی آرہے تھے اتفاقیہ اُس فقیر سے راستہ میں ملاقات ہو گئی۔ آپ نے اُس سے دریافت کیا کہ کہاں سے آتے ہو اُس نے کہا کہ دہلی سے آپ نے فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ رہ کا کچھ حال معلوم ہے اُس نے کہا کہ خیریت سے ہیں اِس کے بعد اُنھوں نے دریافت کیا کہ حضرت کی کچھ نشانی تمھارے پاس ہے اُس نے کفش مبارک دکھائے اور کل حال بیان کیا امیر خسرو رہ نے کہا کہ ان کو فروخت کروگے اُس نے اقرار کیا اُس وقت پانچ لاکھ تنگہ (روپیہ) اِن کے پاس موجود تھے جو ایک قصیدے کے صلہ میں ملے تھے وہ کل اِس فقیر کو دیدئے اور پیر کے کفشِ مبارک اُس سے لے لئے۔ جب دہلی پہنچے اُن کو سر پر رکھے ہوئے حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے یہ حال دیکھکر فرمایا کہ اے خسرو ارزاں خریدی۔ سبحان اللہ کیا عقیدت اور کیا نیاز تھا جن کے ایسے عقیدے ہوں اُنہیں اپنے مرشدِ کامل سے کیوں نہ فیض

سمجھا بھی۔ اُنھوں نے کہا کہ مجھ کو رونا اس قدر آیا کہ میں کچھ نہیں سمجھا۔ یہ جواب سنکر قلندر صاحب بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کی نذر قبول فرمائی اور کہا کہ اگر مولانا نظام الدین کا (سلطان المشایخ) قدم درمیان میں نہ ہوتا تو میں ہرگز قبول نہ کرتا اس کے بعد خدام کو حکم دیا کہ امیر خسرو رح کو خانقاہ میں اعزاز و اکرام سے رکھو۔ تین دن امیر خسرو رح نے قیام کیا اور پھر اجازت چاہی قلندر صاحب نے اجازت دی اور چلتے وقت دو خط ایک بنام حضرت سلطان المشایخؒ اور دوسرا بنام سلطان علاؤ الدین تحریر کرکے ان کے حوالہ کئے۔ علاؤ الدین خلجی کے نام جو خط تھا اُس کی عبارت یہ تھی۔ علاؤ الدین فوطہ دہلی مقرر داند کہ با بندگان خداے تعالیٰ نیکو کند۔ جب دربار میں یہ خط پڑھا گیا تو بعض خوشامدی اُمرا نے کہا کہ بادشاہ خلیفۃ اللہ کو ایسا لکھنا ترک ادب میں داخل ہے۔ سلطان نے کہا کہ غنیمت ہے کہ اِس ذرّۂ بے قدر کو اِس مرتبہ فوطہ دہلی تو لکھا ہے ایک مرتبہ توشحنۂ دہلی لکھا تھا *

شاہزادہ دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک سیّاح فقیر براے طلب حضرت سلطان المشایخ رح کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مطلب بیان کیا اتفاق سے اُس وقت خانقاہ عالی میں کچھ موجود نہ تھا آپ نے فرمایا کہ ٹھیر جا جو کچھ فتوح آج آویگی وہ تجھے دونگا اُس دن کچھ نہ آیا۔ پھر فرمایا کہ کل جو فتوح

شاہنشہِ بے سریر و بے تاج — شاہانش بخاکپاے محتاج

بیت

در اثنائے نماز اے جاں نظر بر قامتت دارم
مگر از قامتِ خوبت قبول افتد نمازِ من

دیگر

جدا از خانقاہِ او بتقدیم — حطیمِ کعبہ را ماند بہ تعظیم
ملک کردہ بہ سقفش آشیانہ — چو اندر سقفہا کنجشک خانہ

مثنوی ہشت بہشت میں فرماتے ہیں۔

خسروا پائے نیک مرداں گیر — با مسیحا نشیں و پیش بمیر
بایدت خانۂ حیات درست — از خضر باید آب حیواں جست
خواہی از خاک بر سپہر خرام — خاک شو زیر پائے شیخ نظام

حضرت سلطان المشایخ رہ نے بہت سے رقعے نہایت ذوق و شوق سے امیر خسرو رہ کے نام تحریر فرمائے ہیں اور اُن میں بہت سے نصائح فرمائے ہیں ایک رقعہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

بعد از مخالطت جوارح اشتغال بامور نامرضیہ شرع اجتناب نماید۔ و در مراعات اوقات ہم کوشد و عمر عزیز را کہ سبب تحصیل کل مرادات است غنیمت شمرد روزگار را بہ بطالت مصروف نہ گرداند۔

مرقع اُلفت

امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ اور امیر حسن[۱] رہ کے عشق و محبت کا

[۱] امیر حسن علاء سنجری کا حال شعرائے عہد میں دیکھو ۱۲

پہنچے اور کیوں نہ اُن کے پیر اُن سے خوش اور راضی رہیں۔
اسی قسم کی ہزاروں حکایات اور کلمات امیر خسرو رح کے مشہور ہیں جنھیں بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔
آپ نے اپنی تصنیف و تالیف میں حضرت سلطان المشائخ رح کی مدح اور شان میں بہت کچھ کہا ہے جسمیں سے کچھ تھوڑا سا تبرکاً اِس مقام پر درج کیا جاتا ہے۔ قصیدہ

اے شربتِ عاشقی بہ جامت	وز دوست زماں زماں پیامت
در سیر وصال ہر دو عالم	داخل بہ مسافتِ دو گامت
شد سلکِ فرید از تو منظوم	زانست کہ شد لقب نظامت
صد جانِ شریف پاک را چرخ	بگداختہ و نوشتہ نامت
درگاہِ تو قبلہ۔و ملائک	پرّاں چو کبوتراں بہ بامت
سودا زدگانِ شوق حق را	تسکیں ز مفرح کلامت

جاوید بقاست بندہ خسرو
چوں شد بہزار جاں غلامت

قطعہ

نے ز ابرار دیدہ کس علمش	نے ز ابدال یافتہ بدلش
ہر شبش زاوج عالمِ اسرار	صبح دولت دمیدہ بر شب تار

مثنوی

در حجرۂ فقر بادشاہے	در عالمِ دل جہاں پناہے

امیر خسرو رح کی سچی محبت نے بہت جلد امیر حسن کے دل میں بھی درد پیدا کردیا اُنھوں نے دوکان ترک کردی اور حضرت سلطان المشائخ رح کی خانقاہ میں امیر خسرو رح کے پاس آمد و رفت شروع کرکے اوّل سے زیادہ علوم و کمال ظاہری کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور ان دونوں کے باہم ایسی محبت پیدا ہوئی کہ یک جان دو قالب کا مضمون ہوگیا ؎

عشقِ صادق کا اگر فریاد رتبہ ہو حصول
یار کے دل میں بھلا دیکھیں اثر کیونکر نہ ہو

اِس کے بعد امیر خسرو رح اور امیر حسن نے شاہزادہ محمد سلطان ابن غیاث الدین بلبن حاکم ملتان کی ملازمت اختیار کی امیر خسرو رح شاہزادہ کے مصحف دار اور امیر حسن دوات دار مقرر ہوئے۔ جب شاہزادہ ملتان سے دہلی آتا دونوں عزیز شاہزادہ کی خدمت سے فارغ ہوکر اکثر اوقات حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت بابرکت میں حاضر رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کی عاشقی اور معشوقی کا اِس قدر شہرہ ہوا کہ اہلِ غرض نے شاہزادہ کے گوش گذار کیا کہ تمام خلق امیر خسرو رح اور امیر حسن رح کو اہلِ ملامت سے جانتی ہے یہ ہرگز شاہزادہ کے قرب خدمت کے قابل نہیں ہیں۔ اِنھیں دنوں میں امیر خسرو رح نے ایک غزل میں یہ اشعار موزوں کئے تھے ؎

قصہ بہت دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ منقول ہے کہ آغاز شباب میں امیر خسرو رح ایک دن حضرت سلطان المشایخ رح کے ہمراہ بازار تشریف لے گئے تھے۔ امیر حسن علا سنجری مشہور شاعر جو حسن و جمال میں بے مثال اور فضل و دانش میں کمال رکھتے تھے اور اُس زمانہ میں روٹی کی دوکان کیا کرتے تھے اپنی دوکان پر بیٹھے ہوئے روٹیاں بیچ رہے تھے جونہی امیر خسرو رح کی نگاہ اُن سے دو چار ہوئے۔ چونکہ عشق کی حرارت سے دل ان کا گداز ہو رہا تھا فوراً اُن کی شکل زیبا اور حرکات موزوں کو دیکھ کر قفس محبت میں گرفتار ہوا۔ امیر خسرو رح نے دوکان کے قریب جاکر دریافت کیا کہ میاں روٹی کس حساب سے بیچتے ہو۔ مثل مشہور ہے کہ عشق اور مشک نہیں چھپتا اور محبت کی آنکھ فوراً پہچان لی جاتی ہے۔ امیر حسن نے امیر خسرو رح کے حال پر مطلع ہوکر ظرافت سے جواب دیا کہ میں ترازو کے ایک پلہ میں روٹی رکھ کر خریدار سے کہتا ہوں کہ زر دوسرے پلہ میں رکھ۔ جب زر اُس کا روٹی کے وزن سے بہت بھاری ہو جاتا ہے اُس کو لیکر خریدار کو راستہ بتاتا ہوں۔ امیر خسرو رح نے کہا کہ اگر مشتری مفلس ہو تو اُس کی کیا تدبیر ہے جواب دیا کہ اُس سے زر کے عوض درد و نیاز لیتا ہوں۔ امیر خسرو رح اس حُسن کلامی سے حیران رہ گئے اور حقیقت حال اپنے مرشد کامل حضرت سلطان المشایخ رح سے آکر بیان کی۔

جذب کمال درجہ پر پہنچ چکا تھا فوراً ہاتھ آستین سے نکالکر فرمایا ع

گواہ عاشقِ صادق در آستیں باشد

شاہزادہ نے دیکھا کہ نشان تازیانہ کا جس مقام پر امیر حسن کے ہاتھ میں لگا تھا اُسی مقام پر امیر خسروؒ کے ہاتھ پر موجود ہے۔ نہایت تعجب سے سکوت اختیار کیا امیر خسروؒ نے اُسی وقت یہ رباعی پڑھی رباعی

عشق آمد وشد چو خوانم اندر رگ و پوست	تا کرد مرا تہی و پُر کرد ز دوست
اجزاے وجودم ہمگیں دوست گرفت	نامیست مرا بر من و باقی ہمہ اوست

اُس وقت نسیم عالم تحقیق اِن کے باغ اُمید پر چلی۔ عالم و مافیہا ان کی نظر ہمت میں ایک خس دکھلائی دیا۔ شاہزادہ کی ملازمت سے استعفاء پیش کیا۔ لیکن شاہزادہ نے نہایت اصرار اور خوشامد سے اُن کو اِس ارادہ سے باز رکھا[۱]

ممکن ہے کہ اکثر کج فہم جو لذات نفسانی اور بہائمی کے پورا کرنے کو عشقبازی سمجھتے ہیں اِس روایت کو دیکھ کر امیر خسروؒ پر امرد پرستی کا الزام لگادیں لیکن در حقیقت یہ بات نہیں ہے۔ عشق مجازی عشق حقیقی کا پہلا زینہ ہے عاشق صادق اپنے معشوق کی صفات کا عاشق ہوتا ہے نہ کہ اُس کی ذات کا۔ پردۂ حسن و جمال میں قدرتِ الٰہی کا نمونہ نظر آتا ہے۔ اِس

[۱] تاریخ فرشتہ

دوستانِ من ہوس دارم بنالیدن ولیک	دردچوں درسینہ باشد نالۂ زار آورد
صد گلہ دارم ولے چوں باشد آن رو در نظر	کیست کاں ساعت زبانم را بگفتار آورد
زین دلِ خود کام کارِ من برسوائی کشید	خسرو از فرمانِ دل بردن ہمیں بار آورد

شاہزادہ نے مصلحتاً امیر حسن کو امیر خسرو رح کی مصاحبت اور اختلاط سے ممانعت کردی لیکن چونکہ رشتۂ محبت ان کے درمیان میں مضبوط تھا ممانعت نے کچھ فائدہ نہ بخشا اور اہلِ غرض نے پھر یہ حال شاہزادہ سے عرض کیا۔ اِس مرتبہ شاہزادہ نے غصہ میں آکر چند تازیانہ امیر حسن کے ہاتھ پر مارے۔ مثل مشہور ہے نصیحت صیقلِ زنگار عشق است۔ امیر حسن تازیانہ کھاکر اُسی وقت امیر خسرو رح کے مکان پر پہنچے۔ شاہزادہ کو بھی اُسی وقت یہ حال معلوم ہوگیا متعجب ہوکر ایک مصاحب سے کہ جو حقیقتِ حال سے مطلع تھا فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی محبت مجازی زیورِ حقیقت سے آراستہ اور ان کا جمالِ حال پردۂ عفت و صلاح سے پیراستہ ہے۔ اُسی وقت شاہزادہ نے امیر خسرو رح کو طلب فرماکر اُن سے دریافت کیا کہ محبت تمھاری آمیزشِ ہوا سے پاک ہے یا نہیں۔ امیر خسرو رح نے جواب دیا کہ ہمارے درمیان سے دوئی کوچ کرگئی ہے۔ شاہزادہ نے کہا کہ اِس کا ثبوت کیا ہے۔ یہاں بقول شخصے

خوں رگِ مجنوں سے ٹپکا فصد لیلے نے جو لی
عشق میں تاثیر ہے پر جذب کامل چاہیئے

دل شدگاں را رخِ زیبا مُل است — مستیِ بلبل نہ زمُل کز گل است
گر نبود دیدۂ شہوت گرائے — چیست بہ از دیدنِ صنعِ خدائے
دیدنِ خوباں ست بشہوت وبال — قند چو مے گشت نباشد حلال
گر نگرہی پاک رخِ لالہ فام — نیست گلِ لالہ بدیدن حرام
آنکہ زحق پاکئ چشمش عطا است — منع ز رخسارِ بتانش خطا است
دیدہ کہ در وے نظرِ پاک نیست — سرمۂ آں دیدہ بجز خاک نیست
دیدہ نباشد کہ نظر نیستش — کور چہ بیند کہ نظر نیستش
دیدۂ بادام کہ بے نور زیست — از گلِ بادام چہ آگہ کہ چیست

باب سوم

امراے شاہی اور سلاطین عہد کی ملازمت اور مصاحبت اور دیگر حالات

جب امیر خسرو رح کے کمالات شاعری اور فضیلت علمی کا عالمگیر شہرہ ہوا تو شاہزادہ محمدؐ سلطان خان شہید کے دربار میں بھی ان کے علم و فضل اور کمالاتِ شاعری کا مذکور ہونے لگا شاہزادہ نے طلب فرمایا اور نظر جوہر شناس سے دیکھ کر اپنی مصاحبت کا افتخار بخشا اور خدمت مصحف داری پر مامور فرمایا اور امیر خسرو رح

وجہ سے اکثر صوفیانِ صافی دل معشوق حقیقی کے جلوے کو معشوق مجازی کے حسن میں دیکھا کرتے ہیں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قطعہ

نظر بر نیکواں رسمے است معہود	نہ ایں بدعت من آوردم بعالم
حدیثِ عشق اگر گوئی گناہ است	گناہ اوّل زحوّا بود و آدم
اگر دعویٰ کنی پرہیزگاری	مسلم دارمت و اللہ اعلم
وگر گوئی کہ میلِ خاطرم نیست	من ایں دعویٰ نمیدارم مسلم

اور چونکہ بہ نسبت عورت کے عشق کے امرد کے عشق میں گنہگاری کا کم خدشہ ہوتا ہے اِس وجہ سے اکثر صاحب دل امردوں کے عشق و محبّت میں گرفتار پائے جاتے ہیں۔ عشق کی نسبت حضرت امیر خسرو رح فرماتے ہیں

زندہ نہ آنست کہ جانے دروست	اوست کہ از عشق نشانے دروست
چند بری عشق ببازی بسر	عشق دگر باشد و بازی دگر
مرد کہ در عشق زجاں مرد نیست	گر صفِ کافر شکند مرد نیست
زندہ دلاں خوش زغمِ دل شوند	جانوراں پاک بہ بسمل شوند
پاک روانے کہ بہ آگاہی اند	کشتۂ حق چوں ملخ و ماہی اند
روئے نکو راحتِ نظارگی ست	بر دلِ عاشق غم و آوارگی ست
آنکہ تو بینی رخِ زیبائے شمع	شورشِ پروانہ شد و زیب جمع
صورتِ شاہد اجلِ معنوی است	خطِ مسلسل رقمِ جادوی است

ولیعہد سلطنت مکارم اخلاق اور محاسن اوصاف سے موصوف اور فضیلت و دانش علم و ہنر میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا اُس کی درگاہ عالی درگاہ محمودی اور سنجری پر ترجیح رکھتی تھی شاعرانِ فراست آئین اور فاضلان سعادت قرین اور علمائے دین اور مشائخ طریقت اُس کی مجلس ہمایوں میں ہمیشہ جمع رہتے اور اُس کی حاتمی بذل و احسان اور گلزار سخاوت کی صبا سے بہرہ یاب ہوتے تھے۔ ایسا

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۸) کے واسطے علیحدہ محلہ مقرر کرتا تھا۔ اُس کے عہد میں یہ پندرہ محلّے جدید دہلی میں آباد ہوئے تھے۔ محلہ عباسی[۱] - سنجری[۲] - خوارزم شاہی[۳] - دیلمی[۴] - علوی[۵] - اتابکی[۶] - غوری[۷] چنگیزی[۸] - رومی[۹] - سنقری[۱۰] - یمنی[۱۱] - موصلی[۱۲] - سمرقندی[۱۳] - کاشغری[۱۴] - خطائی[۱۵] - سلطان کے عدل و انصاف کے نسبت مؤرخوں نے بہت سی حکائتیں تحریر کی ہیں جس میں سے دو یہاں درج کی جاتی ہیں :-

ملک تعیق ابن جامدار نے جو امرائے بزرگ سے تھا اور چار ہزار سوار خاصہ کے رکھتا تھا اور ولایت بدایوں اُس کی جاگیر میں تھی بدمستی کی حالت میں ایک غریب فراش کے اسقدر دُرّے مارے کہ وہ مرگیا۔ چند دنوں کے بعد جب بادشاہ بدایوں کے دورہ پر گیا فراش کی بیوی دربار عام میں آکر فریادی ہوئی۔ بادشاہ نے بعد ثبوت جرم ملک تعیق کے اُس ستم رسیدہ کے روبرو اس قدر دُرّے لگوائے کہ اُس کے شوہر سے جاملا۔

اسی طرح اُس کے ایک غلام صاحبِ اعتبار نے جس کا نام ہیبت خان اور اودھ کا جاگیردار تھا ایک شخص کو حالتِ مستی میں مار ڈالا اُس کی زوجہ دربار سلطانی میں داد خواہ ہوئی سلطان نے ہیبت خاں کو پانچ سو دُرّے مارکر اُس عورت کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ یہ آج تک میرا غلام تھا اب تیرا مملوک ہے۔ تجھے اسکے قتل یا رہائی کا اختیار ہے۔ ہیبت خان نے ایک جماعت کے ذریعہ سے بعد تضرّع و زاری مبلغ ایک لاکھ روپیہ اُس ضعیفہ کو دیکر آزادی حاصل کی اور اس حادثہ کے بعد مرتے وقت تک غیرت کے مارے باہر نہ نکلا

نے بھی اِس مقولہ پر عمل کر کے اِس خدمت کو منظور کر لیا۔

مراد اہلِ طریقت لباس ظاہر نیست
کمر بخدمت سلطاں بہ بند و صوفی باش

شاہزادہ محمدؐ سلطان سلطان غیاث الدین[۱] بلبن کا بڑا بیٹا اور

[۱] سلطان غیاث الدین بلبن جمادی الاوّل ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء میں تخت نشین ہوا اور ۶۸۵ھ / ۱۲۸۶ء میں اکیس[۲۱] برس اور چند مہینے سلطنت کر کے اسّی[۸۰] برس کی عمر میں اِس دار ناپائدار سے سدھارا۔ یہ شاہ فرخندہ آثار اور بادشاہ معدلت شعار اوصافِ حمیدہ اور خصائل پسندیدہ سے آراستہ اور پیراستہ تھا اُس کا زمانہ خیر القرون سے تھا۔ کارہائے سلطنت کو سنجیدگی اور فہمیدگی سے انجام دیتا تھا۔ اور سوائے اکابر اور مردمِ دانا کے کسی کے سپرد نہ کرتا اور اراذل کو کارہائے سلطنت میں دخل نہ دیتا تھا اور جب تک دیانت اور صلاح و تقویٰ کسی شخص کا مشخص نہ کرلیتا کوئی شغل اور عمل نہ فرماتا اور نسب کی تصحیح میں مبالغہ بلیغ اور تفحص کثیر کرتا اور جو شغل اور عمل سپرد کرنے کے بعد کسی میں نقص ذاتی اور صفاتی کا گمان ہوتا تو اُسے فوراً معزول کرتا تھا اُس نے اپنے تمام ایامِ سلطنت میں مسخروں اور اربابِ نشاط کو کبھی مُنہ نہیں لگایا اُس کے عہدِ دولت میں سلطنت دہلی کو وہ شان و شوکت حاصل ہوئی کہ سلاطینِ عراق اور خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ اُس کی دوستی کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔ چنگیز خانی مغلوں کے ظلم و ستم سے جو بادشاہ اور شاہزادے وسط ایشیا سے اس کے عہد سلطنت میں ہندوستان تشریف لے آئے تھے وہ اِس کے عالیشان دربار میں فرشِ عزت اور سرداری پر متمکن ہوکر نہایت ذوق و شوق سے تخت کے روبرو دست بستہ کھڑے رہتے تھے صرف دو شاہزادے جو خلفاے عبّاسیہ کے اولاد میں سے تھے اُن کو پایہ تخت پر بیٹھنے کی عزت حاصل تھی۔ جس وقت بادشاہ اور شاہزادے یا بزرگانِ وقت اُس کے عہد میں یہاں وارد ہوتے۔ سلطان اظہار بشاشت کر کے شکر الہٰی بجا لاتا تھا اور ہر ایک شاہزادہ (صفحہ ۴۹ دیکھیے)

اُس کو اِن کی جدائی گوارا نہ تھی اگرچہ کمال کی قدردانی اور سخاوت اس صاحبِ کمال جوہری کی عام تھی مگر جو عزت و منزلت امیر خسروؒ اور امیر حسنؒ کی تھی وہ کسی دوسرے مصاحب کی نہ تھی۔

شاہزادہ محمدؒ سلطان ملتان کا حاکم تھا امیر خسروؒ اور امیر حسنؒ اور دیگر صاحب کمال شعراء اور علماء اور فضلا کی وجہ سے اُن دنوں خطۂ ملتان رشک گلستانِ ارم ہو رہا تھا۔ شاہزادہ نے دو مرتبہ اپنے مقربوں کو بہت سا روپیہ اور نادر و نایاب تحفہ دیکر شیراز میں حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں روانہ کیا اور امیر خسروؒ کے اشعار بھی شیخ کے ملاحظہ کے واسطے روانہ کرکے نہایت ادب سے التماس قدوم میمنت لزوم کی فرمائی اور ارادہ کیا کہ ملتان میں حضرت شیخ کے واسطے ایک خانقاہ طیار کراکر کچھ دیہات اُس کے اخراجات کے واسطے وقف کرے مگر دونوں مرتبہ حضرت شیخ نے ضعف پیری کا عذر تحریر کیا اور ہر بار اپنے ہاتھ سے اپنے کلام کی بیاض مرتب کرکے شاہزادہ کے پاس روانہ کی اور امیر خسروؒ کے کلام کی بہت تعریف لکھکر اُن کے ہم صحبت ہونے کی مبارکباد دی اور لکھا کہ اِس جوہرِ قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنی چاہئے۔

شیخ آذری نے کتاب جواہر الانوار اور حاجی لطف علی خان نے آتشکدہ میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ

مہذب اور مؤدب تھا کہ مجلس فرماں دہی میں اگر تمام دن و رات اجلاس کرتا تو بھی اپنا زانو بلند نہ کرتا تھا اور قسم اُس کی لفظ حقا کے سوا نہ تھی۔ اُس کی مجلس عالی میں ہمیشہ شاہنامہ اور دیوان خاقانی و انوری اور خمسۂ مولانا نظامی اور اشعار امیر خسروؒ پڑھے جاتے تھے۔ اربابِ فہم و دانش اُس کی شعر فہمی کے مقر تھے۔ امیر خسروؒ سے منقول ہے کہ میں نے جدّت طبع اور دریافت معنی دقیق اور سخن شناسی اور یاد داشت اشعار متقدمین و متاخرین میں کسی کو مثل محمدؒ سلطان کے نہیں دیکھا۔ بیس ہزار بیت کی ایک بیاض کتب متقدمین سے انتخاب کرکے بہت خوش خط لکھی تھی امیر خسروؒ اور امیر حسنؒ اِن اشعار پسندیدہ سے محظوظ ہوئے اور شاہزادہ کے شعر فہمی اور ادراکِ بلند کی مدح و ثنا کی۔ شاہزادہ کی شہادت کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے یہہ بیاض امیر علی جامدار کو عطا فرمائی اور اُن سے امیر خسروؒ کو ملی۔ تمام شعراء نے اس بیاض کو دیکھکر اُس کے اشعار منتخب اپنے بیاضوں میں تحریر فرمائے۔

امیر خسروؒ کے ہمراہ امیر حسنؒ بھی شاہزادہ کی ملازمت میں داخل ہوئے اور اِن دونوں صاحب کمالوں نے اپنی شگفتہ بیانی اور عقل و دانش۔ فہم و فراست کی بدولت شاہزادہ کے مزاج میں ایسا دخل پایا کہ خلوت و جلوت مقام و سفر کسی حالت میں

اِس واقعہ کی اطلاع بذریعہ عرضداشت کے دی اُس نے اپنے دربار میں بتیس ہزار فوج کو تین ہزار پڑھا اور نہایت سامان سے کوچ کرتا ہوا لاہور کے قریب دریائے راوی کے کنارے پر آپہنچا یہاں مغلوں سے مقابلہ ہوا اور لڑائی کے بعد تیمور مغل شکست کھاکر بھاگا امرائے ہند نے مفروروں کا تعاقب کیا چونکہ شاہزادہ نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی جلدی سے مع پانچ سو غازیوں کے دریا کے کنارے ایک مقام پر نماز میں مشغول ہوا اِسی عرصہ میں ایک مغل سردار نے کہ جس کے ہمراہ دو ہزار سوار تھے شاہزادہ پر حملہ کیا۔ شاہزادہ نے نماز سے فارغ ہوکر ترکی بہ ترکی جواب دیا اور کئی بار حملہ کرکے بہت سے مغلوں کو قتل اور پسپا کیا۔ قریب تھا کہ مظفرّ و کامیاب ہو کہ ناگاہ ایک تیر شست قضا سے چھوٹکر شاہزادہ پر آیا اور فوراً طائرِ مرغِ روح قفس عنصری سے بجانب روضۂ قدس پرواز کر گیا مغل شاہزادہ کے بہت سے ساتھیوں کو قید کرکے اور جو کچھ سامان ہاتھ لگا اُسے لیکر سپاہ ہند کے اجماع کے خوف سے بھاگ گئے۔ امیر خسروؒ بھی اس لڑائی میں شاہزادہ کے ساتھ موجود تھے اُنہیں ایک مغل کے نوکر نے قید کرلیا اور جھول اور توبڑا ان کے سر پر رکھوایا امیر خسروؒ نے اِس مضمون کو نظم کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

	منکہ بر سر نمی نہادم گُل		یار بر سر نہاد و گفتا جُل	

عین پیرانہ سالی میں شیراز سے امیر خسروؒ کی ملاقات کو آخری مرتبہ ہندوستان میں تشریف لائے تھے اور ایک دوسرے کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ اور شیخ سعدی شعر میں حق اُستادی امیر خسروؒ پر ظاہر کرتے تھے۔ بعض مؤرخین نے اس روایت کو محض اس شک پر مشکوک خیال کیا ہے کہ جب وقت ہندوستان اور ایران میں امیر خسروؒ کی شہرت ہوئی اُس وقت شیخ کا عالم ضعیفی تھا اور یقین نہیں آتا کہ اُس عمر میں شیخ نے اِس قدر دور و دراز سفر محض ایک نوجوان کے دیکھنے کی خاطر اختیار کیا ہو۔

امیر خسروؒ کی دلی ارادت اور اعتقاد کا حال جو شیخ سعدیؒ کے نسبت تھا اُن کی اِس بیت سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے **بیت**

خسرو سرمست اندر ساغرِ معنی بریخت
شیرہ از خمخانۂ سعدی کہ در شیراز بود

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ع

جلدِ سخنم دارد شیرازۂ شیرازی

امیر خسروؒ اور امیر حسنؒ پانچ برس تک ملتان میں شاہزادہ محمدؐ سلطان کی مصاحبت میں رہے۔ ۶۸۳ھ / ۱۲۸۴ع میں دفعتاً فلک شعبدہ باز نے ایک نیا رنگ بدلا۔ تیمور یا اتیمر نامی مغل نے کہ امرائے عظیم الشان چنگیز خانی سے تھا دریائے راوی کو عبور کرکے لاہور کے قریب فساد برپا کیا حاکم لاہور نے شاہزادہ محمدؐ سلطان کو

سولی زادہ اور اُمرائے عظیم الشان سے تھا اور قابلیت وعلمیت کے ساتھ بذل و کرم حسن اخلاق اور دیگر صفات حمیدہ سے موصوف اور بوجہ اپنی سخاوت کے عام و خاص میں حاتم خاں کے نام سے مشہور تھا امیر خسروؒ کو نہایت اعزاز و اکرام سے اپنی ملازمت میں لیکر مصاحبت میں رکھا۔ امیر خسروؒ نے اپنے دیوان میں امیر موصوف کی بہت تعریف و توصیف کی ہے اور اسپ نامہ اسی کے نام پر لکھا ہے جس کی دو تین بیتیں یہ ہیں ؎

شاہِ عہد اختیار دولت و دیں	آفتاب شرف بہ خانۂ زیں
ہم علی نام ہم بہ شیر دلی	شیر دُلدُل سوار ہمچو علی
عالمے چوں عناں بجنبانی	بسرِ تازیانہ بستانی

سلطان معز الدینؒ کیقباد نے اپنے باپ بغرا خان ناصر الدین

؎ سلطان معز الدین کیقباد ناصر الدین بغرا خاں کا بیٹا اور غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا بعد وفات غیاث الدین بلبن کے امراء اور اعیان سلطنت نے اُس کی وصیت کے خلاف بجائے شاہزادہ کیخسرو پسر محمدؒ سلطان ولیعہد سلطنت کے اِس کو اٹھارہ برس کی عمر میں تخت نشین کیا۔ اِس نے تخت نشین ہوکر عیش و عشرت پر کمر باندھی اور خلاف عہد سلطان غیاث الدین بھانڈوں اور مسخروں اور ارباب نشاط کا جمگھٹ دربار میں ہونے لگا۔ جب امورات سلطنت سے بادشاہ نے لاپرواہی اختیار کی تو ملک نظام الدین وزیر کو اپنی بادشاہی کی سوجھی اور اُسکے جوڑ توڑ میں مصروف ہوا اوّل بادشاہ کو بہکاکر شاہزادہ کیخسرو کو قتل کروا ڈالا اِس کے بعد شاہی خاندان کے دوسرے شاہزادوں اور دیگر امراء کے (دیکھو صفحہ ۳۶)

مغل امیر خسروؒ کو قید کرکے بلخ لے گئے۔ جہاں سے دو برس کے بعد نہایت مشکل سے رہائی حاصل ہوئی اور وہاں سے روانہ ہوکر اُفتان و خیزاں دہلی پہنچے اور سلطان غیاث الدین بلبن کے دربار میں حاضر ہوکر اپنے وہ دو پُر درد قصیدے جو شاہزادہ کے مرثیہ میں لکھے تھے اس رقت سے پڑھے کہ تمام دربار میں سناٹا چھا گیا اور ہر کس و ناکس ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگا۔ سلطان غیاث الدین اس قدر رویا کہ بخار آگیا اور ایسا بخار آیا کہ اسی صدمہ اور بخار سے تیسرے ہی دن انتقال کیا۔ مہینوں دہلی کے لوگ ان مرثیوں کو رات دن پڑھتے اور اپنے عزیزوں کی یاد میں جو اس لڑائی میں شہید ہوئے تھے روتے رہے ؏

یہ پُر درد قصیدے باوجود تلاش بسیار دستیاب نہیں ہوئے صرف دو شعر مختلف مقامات کے ملے ہیں جو ہدیہ ناظرین ہیں

بسکہ آبِ چشم خلقے شد رواں درچارسو		پنج آبے دیگر اندر مولتان آمد پدید
	دیگر	
روز چوں باقی نبود آں آفتابِ ملک را		روزی چیزے بود کاں آفتاب اُفتادہ شد

امیر حسن رہ نے بھی اس حادثۂ جانکاہ کا ایک مرثیہ نثر میں لکھکر ملتان سے دہلی بھیجا تھا جو کتاب منتخب التواریخ میں درج ہے اس کے بعد امیر علی میر جامدار نے جو سلطان غیاث الدین بلبن کا

؏ منتخب التواریخ ـ فرشتہ ـ خزانۂ عامرہ ۱۲

اُن کو دہلی سے گئے ہوئے دو برس کا عرصہ گذر گیا مادرِ مشفقہ نے شفقتِ مادری سے بیتاب ہوکر کئی خط ان کی طلبی میں روانہ کئے سچ تو یہ ہے کہ احسان وہ چھپا ہوا جادو ہے کہ اُس کے اثر سے بچنا ناممکن ہے امیر علی کی بے انتہا عنایت اور احسان نے امیر خسرو رح کے دل پر ایسا اثر پیدا کیا تھا کہ حرف رخصت زبان پر نہ لا سکتے تھے۔ جب ماں کے کئی خط آئے اور محبت مادری کی کشش مقناطیسی نے ان کے دل پر بے انتہا اثر پیدا کیا اُس وقت ایک دن رُکتے رُکتے امیر علی سے یہ حال بیان کیا۔ اِس دریا دل نے دو کشتی زر و جواہر عطا فرماکر نہایت اعزاز و اکرام سے انہیں دہلی روانہ کیا امیر خسرو رح نے ایک مہینہ میں اودھ سے دہلی کا راستہ طے کیا اور ماہ ذیقعدہ ۶۸۷ھ ۱۲۸۸ء میں دہلی پہنچکر اپنی مادر مشفقہ کی قدمبوسی اور دیگر احباب کی ملاقات سے خُرسندی حاصل کی۔

امیر خسرو رح کے آتے ہی تمام شہر دہلی میں دھوم مچ گئی۔ دوستانہ جلسے اور شعر و سخن کے چرچے شروع ہو گئے۔ دوسرے ہی دن دربار کیقبادی میں اِن کے تشریف لانے کا مذکور ہوا بادشاہ نے فوراً چوبدار کو دوڑایا اُنہوں نے حاضر ہوکر قصیدہ بادشاہ کی مدح میں سنایا۔ بادشاہ نے اِس کے صلہ میں خلعت اور دو ہزار دینار مرحمت فرمائے اور روزانہ مقرر کردیا۔ امیر خسرو رح

کی ملاقات کے بعد امیر علی جامدار کو اودھ کی صوبہ داری پر مقرر فرمایا امیر خسروؒ بھی امیر علی کے ہمراہ شاہی لشکر میں موجود تھے یہ بھی اُن کے ہمراہ اودھ گئے اور دو برس تک وہاں مقیم رہے امیر خسروؒ کی والدہ اور گھر کے سب لوگ دہلی میں تھے۔جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵) استیصال میں مصروف ہوا۔جب کیقباد کے باپ بغرا خان ناصرالدین نے جو بنگالے کا صوبہ دار تھا دربار کا یہ حال سنا تو بیٹے کو نصیحت آمیز خطوط تحریر کئے مگر کیقباد نے غرور جوانی اور عیش و عشرت میں باپ کی ایک بھی نہ سُنی۔ مجبور ہوکر ناصر الدین بغرا خاں لکھنوتی (صدر مقام بنگالہ) سے مع فوج کے دہلی روانہ ہوا ادھر سے بادشاہ بھی فوج لیکر باپ سے لڑنے کو دہلی سے روانہ ہوا دریائے سرو کے کنارے دونوں لشکر اکٹھا ہوئے اُس وقت غیاث الدین بلبن کے عہد کے امراء نے درمیان میں پڑکر باپ بیٹے میں صلح کرادی اور دونوں ایک دوسرے سے ملے۔ اخیر ملاقات میں باپ نے بیٹے کو طرح طرح کی نصیحتیں کیں اور وہاں سے رخصت ہوکر لکھنوتی کو واپس گیا بادشاہ دو چار دن باپ کی نصیحتوں کا پابند رہا لیکن خوبصورت معشوقوں اور پری وش مطربوں نے طرح طرح کے کرشموں سے بادشاہ کی توبہ کے ہزاروں ٹکڑے کر ڈالے اور وہ پھر اُسی لہو و لعب میں مشغول ہوگیا۔جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۶۸۷ھ/۱۲۸۸ء یا ۶۸۸ھ/۱۲۸۹ء میں اِس کو فالج کا عارضہ ہوگیا اِس سبب سے بعض امراء نے اُس کے بیٹے کیومرث کو شمس الدین کے نام سے تخت پر بٹھایا مگر امرائ خلج نے مخالفت کرکے کیومرث اور کیقباد دونوں کا کام تمام کردیا اور اُسی کے ساتھ ترکوں کی سلطنت کا جو خاندان غور کے غلام ہونے کی وجہ سے خاندان غلامان کے نام سے موسوم ہے خاتمہ ہو گیا اور امرائے خلجی نے ملک جلال الدین خلجی کو تخت نشین کیا۔

—·*✻*·—

جلال الدین فیروز شاہ اس سے پہلے میر جامداری کے معزز عہدہ پر مامور تھا اور اُسی وقت سے امیر خسروؒ کی مصاحبت کا فخر اُسے حاصل تھا۔ جب اقبال نے یاوری کی اور میر جامداری سے بساط شاہی پر قدم رکھا امیر خسروؒ کو نوازشات شاہی سے ممنون فرماکر اپنے تمام مقربوں کا سردار کیا اور شغل مصحف داری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸) ۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء میں ستر برس کی عمر میں تخت نشین ہوا یہ بادشاہ حلیم و کریم اور طبع موزوں رکھتا تھا اور صفت قدر شناسی اور راستی اور عدل و انصاف سے موصوف تھا۔ اِس نے اپنے تمام ایّام سلطنت میں (سوائے وقوعہ سید مولیٰ) کبھی مور ضعیف کو بھی نہیں ستایا جن لوگوں نے اُس کے عہد میں بغاوت کی اور اُسکے سامنے گرفتار ہوکر آئے اُنہیں بھی باوجود امراے سلطنت کی بیحد مخالفت کے کوئی ضرر نہیں پہنچایا اور اُن سے نہایت اخلاق و تواضع سے پیش آیا۔ بہت سے علماء فضلاء اور دیگر صاحب کمال اُس کے انعام و اکرام سے بہرہ یاب ہوتے تھے اِسکے بھتیجے اور داماد علاؤ الدین نے جو کڑہ کا حاکم تھا اُس کے بغیر اجازت نہایت دور دراز راستہ طے کرکے دکن میں دیوگڈھ (دولت آباد) پر چھاپا جا مارا اور جب وہاں سے بہت سا غنیمت کا مال لیکر واپس ہوا تو بادشاہی کی ہوس پیدا ہوئی اور بادشاہ کو دھوکا دیکر کڑہ بُلایا ملک احمد چپ نے جو بڑا عقلمند اور تجربہ کار اور خیر خواہ وزیر تھا بادشاہ کو ہرچند سمجھایا مگر بادشاہ کچھ نہ سمجھا اور یہی کہتا رہا کہ علاؤ الدین میرا ہی نمک پروردہ ہے اور مین نے ہی اُس کو اِس مرتبہ پر پہنچایا ہے وہ میرے ساتھ کبھی بُرائی نہیں کریگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷ رمضان ۶۹۵ھ / ۱۲۹۵ء کو علاؤ الدین نے اپنے ولی نعمت اور چچا جلال الدین کو نہایت دھوکے اور کمینہ پن سے قتل کرادیا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ جو جو شخص قتل بادشاہ جلال الدین میں شریک تھے وہ تھوڑے ہی عرصہ میں بلائے عظیم مین مبتلا ہوکر جہنم کو سدھارے ازانجملہ محمود سالم کو (قاتل جلال الدین) ایک سال کے بعد جذام ہوگیا اور خون فاسد سے اُسکے (دیکھو صفحہ ۴۰)

نے جو قصیدہ اِس موقعہ پر سنایا تھا اُس میں اکیس شعر ہیں اور ہر شعر سے کمالِ شاعری اور بلند خیالی ظاہر ہوتی ہے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

منت ایزد راکہ شہ بر تخت سلطانی نشست	در دماغِ مملکت بادِ سلیمانی نشست
شہ معز الدین والدنیا کہ از دیوانِ غیب	نامہ او بر نامۂ دولت بعنوانی نشست
کیقباد آں گوہرِ تاجِ کیاں کز زخمِ تیغ	تاج از ایراں بستد و بر تخت تورانی نشست
ابر نیساں کز کرم آوازہ در عالم فگند	آن ہمہ آوازہائے ابر نیسانی نشست
دید قصرِ شاہ را با برج جوزا ہم کمر	بندہ خسرو چوں عطارد در ثنا خوانی نشست
چشمِ تو بیدار و دولت باد تا از عون بخت	جملہ بیداراں بخسپند و تو بتوانی نشست

معز الدین کیقباد نے امیر خسرو رح سے فرمایا کہ اے ختم سخن پروراں میرے اور پدر مہربان کے ملاقات کے واقعات کو اپنی معجز بیانی سے پیکرِ نظم کے قالب میں ڈھال کر کلمات سحر آمیز سے حیات جاوید کا لباس پہنا۔ امیر خسرو رح نے چھ مہینے کے عرصہ یعنی رمضان ۶۸۸ھ ۱۲۸۹ء میں اس قالبِ بیجان کو اپنے سحر شاعری سے نظم کی روح پھونک کر پری پیکر بنایا اور قران السعدین کے خوشنما بلکہ قابلِ مرحبا نام سے موسوم کیا۔

۶۸۸ھ ۱۲۸۹ء یا ۶۸۹ھ ۱۲۹۰ء میں آفتاب اقبال کیقبادی غروب ہوکر دربار فیروزی (جلال الدین[1] فیروز شاہ خلجی) کا ستارہ طلوع ہوا۔

[1] جلال الدین فیروز شاہ کا اصلی نام ملک فیروز اور شایستہ خاں خطاب تھا (دیکھو صفحہ ۳۹)

بادشاہ کو اِس ارادہ سے باز رکھا اور اجازت نہ دی۔ ایک دن بادشاہ نے امیر خسروؒ سے بیان کیا کہ حضرت تو اجازت حاضری کی نہیں دیتے اور مجھے حصول قدمبوسی کا از حد اشتیاق ہے میرا ارادہ ہے کہ بلا اجازت خدمت میں حاضر ہوکر قدمبوسی حاصل کروں۔ اِس کے بعد ان سے منع کر دیا کہ اِس راز کو حضرت سے نہ بیان کرنا۔ اب امیر خسروؒ سخت پریشان ہوئے کیونکہ اگر بادشاہ کا راز حضرت سے بیان کرتے ہیں تو جان کا خوف ہے اور اگر نہیں بیان کرتے ہیں تو حضرت کی ناراضگی کا خیال ہے آخرکار اُنھوں نے جان پر کھیل کر یہ راز حضرت سلطان المشایخؒ سے بیان کردیا۔ آپ اُسی وقت اجودھن (پاک پٹن) اپنے پیر حضرت فرید الدین شکر گنج قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔ صبح کو بادشاہ کو یہ حال معلوم ہوا۔ قیافہ سے معلوم کیا کہ امیر خسروؒ نے راز افشا کر دیا اور اِسی وجہ سے حضرت کنارہ کر گئے۔ اِنہیں بُلاکر دریافت کیا انہوں نے سچ سچ حال بیان کر دیا اور کہا کہ اے بادشاہ تیری ناراضگی میں صرف جان کا خوف ہے اور حضرت کی ناراضگی میں سلب ایمان کا خوف تھا اِس وجہ سے میں نے جان پر ایمان کو ترجیح دیکر حضرت پر یہ حال ظاہر کردیا۔ دانا بادشاہ نے یہ برجستہ جواب سنکر خاموشی اختیار کی۔

اور منصبِ امارت کا اختصاص بخشا اور بارہ سو ٹنکہ[۱] اُن کی تنخواہ مقرر فرمائی۔

امیر خسروؒ کو بادشاہ کے بیٹے اختیار الدین خانخاناں سے بہت محبت تھی اُس کی وفات سے اُنہیں بہت قلق ہوا اور اُنہوں نے اُس کا یہ پُر درد مرثیہ لکھا ہے ؎

چہ روز است اینکہ من خورشیدِ تابان رانمی بینم	دگر شب شد چرا ماہِ درخشاں رانمی بینم
دو روزے ہست کاندر ابر ماندہ آفتابِ من	کہ اندر چشمہا جز ابر و باراں رانمی بینم
بہندوستان خطائے گشت پیدا و بہر روئے	ہمی بینم ہزاراں چین و خاقاں رانمی بینم
نگین خاتم شاہی بکان سنگ پنہاں شد	دلم چوں لعل خوں شد زاں سبب کاں رانمی بینم
شد اینک بر سرِ تخت و بزرگاں صف زدہ ہر سو	ہمہ ہستند لیکن خانخاناں رانمی بینم
چو دولت کور دیدم گفتمش خواہی بسر او فتاد	چہ خواہم کرد چوں محمود سلطاں رانمی بینم

منقول ہے کہ سلطان جلال الدین نے اپنے عہد سلطنت میں کئی مرتبہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ سے خانقاہ معلّیٰ میں حاضر ہوکر قدمبوسی حاصل کرنے کی اجازت چاہی مگر آپ نے ہر مرتبہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹) بدن کا تمام گوشت ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اختیار الدین دیوانہ ہو گیا اور حالتِ نزع میں چلاتا تھا کہ سلطان جلال الدین تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے میرا سر کاٹ رہا ہے۔ اسی طرح اور لوگ بھی طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہوئے۔

[۱] اُس وقت میں ٹنکہ ایک تولہ سونا یا چاندی کا مسکوک ہوتا تھا اور ہر ٹنکہ چاندی کے پچاس پیسہ تانبے کے ہوتے تھے جن کو جیتل کہتے تھے۔ جیتل کا وزن ایک تولہ یا پونے دو تولہ کا ہوتا تھا۔

فیض پاکر اور خدا شناسی کی آنکھیں روشن کرکے اپنے وطن کی طرف مراجعت فرمائی۔ اِس کے چند روز کے بعد قطب الاولیا حضرت مخدوم فرید الدین شکر گنج رح کی زیارت کے شوق میں ہندوستان تشریف لائے اور اجودھن میں جو اب پاک پٹن کے نام سے مشہور ہے آپ سے ملاقات کی اور مدت تک آپ کی صحبت میں رہ کر فیض معنوی حاصل کیا۔ بعد ازاں آپ سے دہلی کی سیر کی اجازت حاصل کی۔ رخصت کے وقت حضرتِ قطب الاولیا رح نے اِن سے فرمایا کہ ایک نصیحت یاد رکھنا کہ ملوک اور اُمراء اور مقربانِ شاہی کے ساتھ اختلاط نہ کرنا اور اُن کی آشنائی سے محترز رہنا کسواسطے کہ مصاحبت اور اختلاط اِس جماعت کا ہم فقیروں کو سبب ہلاکت کا ہے۔ غرض سید مولیٰ اجودھن سے روانہ ہوکر سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں دہلی آئے اور وہاں ایک عظیم الشان خانقاہ تعمیر کراکر فقرا اور مساکین کی دعوت و ضیافت میں مصروف ہوئے۔ جتنے درویش اور مسافراِن کی خانقاہ میں آتے تھے اُن میں سے کوئی محروم نہ جاتا تھا۔ اگرچہ آپ نماز پانچوں وقت کی ادا فرماتے تھے مگر جمعہ میں حاضر نہ ہوتے تھے اور جماعت کے اچھی طرح پابند نہ تھے۔ لیکن مجاہدہ اور ریاضت بہت فرماتے تھے اور نفس کُشی کا یہ عالم تھا کہ سوائے ایک چادر کے اور کچھ نہ رکھتے تھے نہ کوئی عورت یا خادمہ آپ کے پاس رہتی تھی

امیر خسروؔ نے جلال الدین خلجی کی مدح میں کئی قصیدے لکھے ہیں جو اُن کے دیوان میں موجود ہیں اِس مقام پر صرف اُن کے مطلع پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مطلع قصیدہ اوّل

سپیدہ دم کہ فلک جامِ زر بگیہان داد		نسیم عالیہ در دامنِ گلستان داد
	مطلع قصیدہ دوم	
سپیدہ دم چو ہوا گشت بوستان فرمود		بساطِ خاک زدیباؤ پرنیاں فرمود
	مطلع قصیدہ سوم	
شیریں دہانِ یار کہ راحت بجاں دہد		آبِ حیات ازاں لبِ شکرفشاں دہد
	مطلع قصیدہ چہارم	
جو زلفِ یار بر شکن ہمی پیچد		درو ہزار دلِ مرد و زن ہمی پیچد

وقوعہ سید مولیٰ

سلطان جلال الدین کے عہد کا ایک عجیب و غریب واقعہ قتل سیّد مولیٰ کا ہے۔ اگرچہ ہماری کتاب کو اُس سے کوئی تعلّق نہیں ہے مگر چونکہ یہ قصّہ نہایت دلچسپ۔ حیرت انگیز اور افسوسناک ہے لہٰذا غالباً بے موقع نہ خیال کیا جائیگا۔

سید مولیٰ ایک صاحبِ کمال اور عابد و زاہد بزرگ تھے۔ جرجان ان کا اصلی وطن تھا۔ اُنھوں نے مدّتوں جرجان سے مغرب کی طرف مسافرت کی اور خدا پرستانِ حقیقت کیش سے صورت و معنی کا

نظیر نہ رکھتا تھا وفات پائی اور اُس کے متوسلین و خوانین اور
بارہ ہزار حافظ قرآن کہ اُس کے ملازم اور ہر روز ہزار مرتبہ قرآن شریف
ختم کرتے تھے اور اسی قدر سپاہی اور دیگر ملازم بے روزگاری سے
پریشان ہوئے یہ سب بھی سید مولیٰ کی خانقاہ میں حاضر ہونے لگے
خانخانان سلطان جلال الدین کا بڑا بیٹا بھی سید بزرگ کے فضائل
اور کرامات دیکھکر بہت معتقد ہوگیا اور اکثر اوقات خدمت عالی میں
حاضر رہنے لگا اور دیگر اُمراء اور مقربانِ شاہی بھی شب و روز سید
موصوف کی خانقاہ میں حاضر ہوکر نعمت ہائے گوناگوں کہ اُنھیں اپنے
دستر خوانوں پر میسر نہ ہوتی تھیں مُہیّا پاتے اور اُن کے اشارے
سے طاقوں اور اینٹوں اور پتھروں کے نیچے سے سونے اور
چاندی کے ٹنکہ حاصل کرکے عیش و عشرت میں بسر کرتے تھے
نوبت یہاں تک پہنچی کہ قاضی جلال الدین کاشانی نے جو مرد
فتنہ انگیز اور مصاحبانِ شاہی سے تھا سید مولیٰ کو سلطنت کی
ترغیب اور تحریص دینی شروع کی اور سمجھایا کہ قادر مطلق نے
آپ کو اس قدر قدرت محض اس غرض سے عطا فرمائی ہے کہ
سلطنت اسلامیہ کو ظالموں کے ہاتھ سے نکالئے اور شریعتِ
رسول اللہ کی پیروی کرکے خلقتِ خدا کو عدل و انصاف کے مہد
امن و امان میں رکھئے اگر آپ اس میں تساہل کرینگے تو فردائے
قیامت کیا جواب دینگے۔ سید مولیٰ نے لوازم بشریت سے جو

نہ کسی سے کچھ لیتے تھے اور اِس قدر خرچ کرتے تھے کہ لوگ محو حیرت ہوکر خیال کرتے تھے کہ کیمیا کے صاحب کمال ماہر ہیں۔ بادشاہ غیاث الدین بلبن کے انتقال کے بعد عہد کیقبادی میں کہ زمانہ غفلت اور بے خبری کا تھا آپ کے ایثار و نثار کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ بڑے بڑے اُمراء اور خوانین ذی شان دونوں وقت خانقاہ میں حاضر ہوکر ایسے طعامِ لذیذ نوش فرماتے تھے کہ سلاطین روزگار کو بھی میسّر نہ ہوتے تھے اِس کے علاوہ کسی کسی کو دو دو تین تین ہزار ٹنکہ سونے کے انعام میں بھی ملجاتے تھے۔ ہزار من میدہ اور پانچ سو من گوشت اور دو سو من مصری اور دو سو من شکر اور کئی من گھی خانقاہ کے باورچی خانہ میں روزانہ صرف ہوتا تھا۔ سید مولیٰ کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی شخص کو کچھ عطا فرمانا چاہتے یا قیمت اُن اشیاء کی جو روزانہ خریدی جاتی تھیں دینے کا ارادہ کرتے تو کہتے کہ فلاں بوریے یا فلاں پتھر یا فلاں اینٹ کو اُٹھاؤ اُس کے نیچے اس قدر ٹنکہ نقرئی یا طلائی ہیں اُنہیں لیلو۔ جب وہ چیز اُٹھائی جاتی ارشاد کے بموجب اُس کے نیچے سے برآمد ہوتا تھا۔ اور سکے ایسے نئے نکلتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ اِسی وقت ٹکسال سے بنکر آئے ہیں۔ جب خلجیوں کا زمانہ شروع ہوا او ملک الاُمرا فخر الدین کوتوال نے جو عہد غیاث الدین بلبن کا ایک پُرانا امیر اور بذل و کرم حُسن اخلاق اور برگزیدہ اوصاف میں اپنا

اور سید مولیٰ سے طرح طرح کے سوالات دریافت کرنا شروع کیے جن کے جواب بھی معقول پائے جب کسی طرح کا الزام شرعی اُن پر ثابت نہیں ہوا تو بھی اُن کے وجود کو موجب خلل سلطنت تصور کرکے شیخ ابوبکر طوسی حیدری کو جو حیدری فقیروں کا سردار تھا کوشک کے قریب بلایا اور کہا کہ اے درویشو انصاف کرو کہ اس مرد نے میرے حق میں کس قسم کا ظلم کیا ہے اور کس قسم کا خلل پہنچانا چاہا ہے یہ سُن کر سنجری نام ایک قلندر بے باک نے سید مولیٰ کے تنِ نازنین کو اُسترے سے مجروح کیا اور سوئیاں چبوئیں۔ سید مولیٰ چلّائے اور کہا کہ مجھے جلد اپنے مہدا پر پہنچاؤ میں اپنے قتل ہونے سے آزردہ نہیں ہوں بلکہ خوش ہوں لیکن یقین رکھنا کہ آزار طائفہ درویشاں شوم ہے میمنت نہیں رکھتا۔ عنقریب اس کی مکافات ملے گی۔ بادشاہ سید موصوف کے قتل میں متردد اور متفکر ہی تھا کہ اُسکے منجھلے بیٹے ارکلی خاں نے جو اپنے بڑے بھائی خانخاناں کی عداوت کی وجہ سے ان سید بزرگ سے بھی عداوت رکھتا تھا کوٹھے پر سے فیلبان کی طرف اشارا کیا۔ جس نے فوراً مست ہاتھی چھوڑ کر سید مولیٰ کو شہید کرا دیا۔ ضیاء الدین برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے کہ میں اُس روز دہلی میں تھا مجھے خوب یاد ہے کہ سید مولیٰ کے قتل کے بعد ایسی سیاہ آندھی اُٹھی

ہر بشر کے ساتھ لاحق ہیں اور قاضی جلال الدین کی چرب زبانی سے دھوکا کھایا اور ہر ایک مرید کو خطاب اور منصب دینا شروع کیا اسی عرصہ میں چند مریدوں نے کمر ہمت باندھ کر ارادہ کیا کہ بادشاہ کا کسی موقع پر کام تمام کرکے سید مولیٰ کو تخت پر بٹھا دیں۔ مگر یہ راز قبل از وقت افشا ہو گیا۔ سلطان جلال الدین خلجی نے سید مولیٰ کو مع قاضی جلال الدین کاشانی اور دیگر معتقدین کے دربار میں طلب کیا۔ اور حقیقت حال استفسار فرمائی۔ سب بالاتفاق منکر ہوئے اور کہا کہ ہم اِس امر سے مطلق آگاہ نہیں ہیں۔ جب اِن کا انکار حد سے گذرا تو بادشاہ نے اِن کی راست گوئی کے امتحان کے واسطے صحرائے بہادر پور میں ایک مقام پر آگ جلواکر حکم دیا کہ یہ لوگ آگ میں سے گذریں تاکہ اِن کا جھوٹ اور سچ ظاہر ہو جس وقت سید مولیٰ نے بہ آواز بلند کلمۂ شہادت پڑھا اور آگ میں داخل ہونا چاہا۔ بادشاہ کو رحم آیا اور علماء سے فتویٰ طلب کیا کسی نے فتویٰ نہ دیا اور بالاتفاق عرض کیا کہ یہ فعل شریعت میں کسی طرح جائز نہیں ہے۔ آگ بالطبع جلانیوالی ہے راست گو اور دروغ گو کو یکساں جلا دیگی۔ علماء کی اِس راست گوئی کے باعث بادشاہ اِس ارادہ سے باز آیا اور اُسی وقت قاضی جلال الدین کو تو دہلی سے بدایوں تبدیل کردیا اور دیگر اشخاص کو جو متہم ہوئے تھے دار السلطنت سے نکلوادیا

ہوا۔ یہ بادشاہ سلطنت سے پہلے تو الف کے نام بے بھی نہ جانتا تھا لیکن تخت نشین ہوکر کچھ حروف شناس ہو گیا تھا مگر اس کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸) سب واپس کرلیا۔ اس بادشاہ نے بیس برس اور کئی مہینے نہایت شان و شوکت کے ساتھ سلطنت کی اور باوجود اس کے کہ پڑھا لکھا نہ تھا مگر کمال فراست سے اپنے کل ایام سلطنت میں نہ کسی کو یکبارگی ایسا بڑھایا کہ وہ اپنے آپے میں نہ رہتا نہ کسی کی خدمات ذاتی کو فرو گذاشت کیا۔ قانون داغ اور بہت سے نئے قانون اپنی طبیعت سے ایسے نکالے کہ جو آج تک اُس کی مدبرانہ لیاقت اور عالی دماغی کو ثابت کرتے ہیں۔ غلہ۔ کپڑا۔ گھوڑے غرضکہ اعلیٰ چیز سے لیکر ادنیٰ چیز تک سب کا نرخ ایسا سستا مقرر کردیا تھا کہ خاص و عام کو اُس سے بہت بڑی آسائش ہوئی اور ایسا اچھا انتظام کیا تھا کہ کسی کا مقدور نہ تھا کہ شاہی مقرر شدہ نرخ سے کم و بیش خرید و فروخت کرسکے ان سب حالات اور انتظامات کی تفصیل تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی میں موجود ہے۔ دکن اور دیگر ممالک میں اُس کو اس قدر فتوحات حاصل ہوئیں۔ کہ عوام کو اُس کی کرامت کا گمان پیدا ہوا بعضے جادو کا خیال کرنے لگے اور بعضوں کو یقین تھا کہ یہ سب برکت حضرت سلطان المشائخ کی توجہ کی وجہ سے ہے۔ آخر ایام سلطنت میں جبکہ بادشاہ بیمار ہوا اُس کے منظور نظر غلام ملک کافور کو جس نے دکن کی لڑائیوں میں بڑا نام پایا تھا اُس کے مزاج میں ایسا دخل پیدا ہوا کہ اُس کو سلطنت کے خواب پریشان دکھائی دینے لگے اور اُس نے بادشاہ کا دل خضر خاں اور شادی خاں اُسکے دونوں بیٹوں سے ایسا پھیر دیا کہ اُس کو اُن کی جانب سے شک پیدا ہوگیا اور دونوں بھائیوں کو گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کردیا اور ملک کافور کی صلاح سے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے شہاب الدین کو (صفحہ ۵۰ دیکھو)

کہ جہان تاریک ہوگیا اور تھوڑی دیر تک یہ نوبت رہی کہ کوئی کسی کو نہ دیکھ سکتا تھا اور اُسی سال یعنی ۶۹۰ھ ۱۲۹۱ء میں دہلی اور اُس کے قرب و جوار میں بارش کی کمی کی وجہ سے ایسا قحط پڑا کہ عوام الناس نے بھوکوں کے مارے جمنا میں گِر گِر کر جان دی اور اِس واقعہ کے بعد ادبار دو اسپہ جلال الدین خلجی کی سلطنت پر تاخت لایا اور روز بروز قضیۂ نامرضیہ پیش آنے لگے اور اُس کی شاہی میں رونق باقی نہ رہی۔ مشہور ہے کہ سید مولیٰ اِس حادثہ کے دو برس پہلے سے یہ رباعی اکثر پڑھا کرتے تھے[۵۱] رباعی

در مطبخ عشق جز نکورا نہ کشند	لاغر صفتانِ زشت خو را نہ کشند
گر عاشقِ صادقی ز کشتن مگریز	مردار بود ہر آنکہ اورا نہ کشند

سات برس اور چھ مہینے کے بعد جلال الدین فیروز شاہ کی بہار سلطنت بھی خزاں کی نحوست سے تباہ و برباد ہوئی اور ۲۲ ذی الحجہ ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء سے سلطان علاؤ الدین[۵۲] خلجی کا دور شروع

[۵۱] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی۔ تاریخ فرشتہ۔ منتخب التواریخ وغیرہ

[۵۲] علاؤ الدین خلجی۔ اپنے چچا جلال الدین خلجی اور اُس کے بیٹوں اور بہت سے امیروں کو قتل و برباد کرکے تخت نشین ہوا۔ اوّل اوّل تالیف قلوب کے لئے خزانوں کے مُنہ کھول دئے اور بے شمار زر و جواہر لوٹا کر خاص و عام کو مالامال کیا جب خوب تسلّط جم گیا اور کوئی دعوی دار سلطنت کا باقی نہ رہا تو نہایت تشدّد سے جس قدر انعام و اکرام میں خزانہ لوٹایا تھا (دیکھو صفحہ ۴۹)

بادشاہ کے تحصیل علم سے زیادہ نہ ظاہر ہو جاوے۔ بہت سی نصیحتیں بھی کی ہیں۔ ایک موقع پر بادشاہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں ؎

چوں خدایت سریر شاہی داد | مملکت از ماہ تا باہی داد
کوش کاسودہ داری از شاہی | عالمے را ز ماہ تا ماہی
بر ستمکش ز عدل کم نہ کنی | بر ستمگار جز ستم نہ کنی
خار بن را بر افگنی ز گذر | خارکن را کنی نہال ز بسر
چوں بہ پیلاں علف دہی حالی | از غمِ مور دل مکن خالی
عالم آسودہ کن بہ نعمت وجود | تا تو خوش باشی و خدا خوشنود
چوں بخاصاں دہی نوالہ و جام | کامِ شاں خوش کنی بہ نعمت و کام
یاد کن زاں گدائے بے توشہ | کہ شب افتد گرسنہ در گوشہ
کہ چو فردا شمار کار کند | اوّل از مفلساں شمار کند
پیل چوں مور را تہِ پا سود | پرسش از پیلبان خواہد بود
تا توانی بداد و دین گرائے | کہ بود ملک زیں دو پایہ بجائے
بندہ ورخوں کند چو دامن چست | دیت از بادشاہ باید جست
گرچہ در سدّ آہنی معصوم | مشو ایمن ز ناوکِ مظلوم
ورچہ کس نیست دشمنِ تنِ تو | غفلتِ تو بس است دشمنِ تو

شوال ۷۱۶ھ ۱۳۱۶ء میں علاؤ الدین خلجی کا۔ اقبالِ سکندری پردۂ ظلمات میں غروب ہوا اور شہاب الدین عمر کی تین مہینے کی

اپنی علمی لیاقت پر ایسا گھمنڈ تھا کہ کسی عالم کو اپنے روبرو کچھ نہ جانتا تھا کسی فاضل کا مقدور نہ تھا کہ اُس کے آگے زبان ہلا سکے۔ آغاز سلطنت میں پیغمبری کی سوجھی جب یہ بات بن نہ پڑی تو سکندری کی لو لگی باوجود اِس کے امیر خسروؒ کی بہت وقعت کرتا تھا اُس لئے اپنے عہد میں ایک ہزار ٹنکہ ان کی تنخواہ مقرر کی تھی۔

امیر خسروؒ کی تصنیف و تالیف کا زیادہ حصّہ اِسی بادشاہ کے نام پر ہے۔ جس کی تصریح کسی دوسرے مقام پر کی جاویگی۔ امیر خسروؒ کی حق گوئی پر ہزار آفریں ہے کہ جہاں اِنھوں نے اُسکی تعریف و توصیف میں بڑے بڑے عالیشان اور پُر زور قصائد لکھے ہیں وہاں اِس جبّار بادشاہ کو جس کے سامنے تمام عالموں کو محض اِس خوف سے جاہل بننا پڑتا تھا کہ اُن کی تحصیل علم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹) جو بہت خورد سال تھا ولیعہد کیا اور اِس کے بعد دوسرے تیسرے ہی دن ۶ شوال ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء کو انتقال کیا۔ ملک کافور نے شہاب الدین کو تخت نشین کیا اور ایک امیر کو گوالیار کے قلعہ میں بھیجکر خضر خان اور شادی خان کی آنکھیں نکلوا ڈالیں اور بادشاہ کے چوتھے بیٹے مبارک خاں کو قید کرکے اُس کی آنکھیں نکلوانے کی فکر میں تھا کہ مبشر اور بشیر نامی دو سرداروں نے جو قصر ہزار ستون کے محافظ تھے اپنے ولیٔ نعمت کے خاندان کی تباہی دیکھ کر اِس مردود کا بھی کام تمام کر دیا۔ اور مبارک خان کو قید سے نکال کر تخت سلطنت پر بٹھایا۔

(سلطان قطب الدین کی زبان سے)

بتاریخ ہمچون من اسکندرے / کند ہر کہ آرائشِ دفترے
ز گنجِ گرانمایۂ بے شمار / وہم باز بینش نہ آں پیلبار
مرا خود دریں رہ پدر شد دلیل / کہ میداد زر ہم ترازوئے فیل
شناسد کسے کش خرد رہنموں / کہ از پیلبار است وزنش فزوں
چو میراث شد پیل زر دادنم / نہ زیباست زیں سہل تر دادنم

اس کے بعد فرماتے ہیں

شہا گنج بخشا کرم گسترا / معانی شناسا سخن داورا
مرا عمر کز شصت بالا گذشت / ہمہ پیش شاہانِ والا گذشت
ز شاہاں کسے کاو قلم کرد یاد / معز الدنا بود شہ کیقباد
ازاں پس ز فیروزہ چرخ بلند / شدم پیش فیروز شاہ ارجمند
ازاں پس کہ در شہ ستائی شدم / تونگر ز گنج علائی شدم
شد اکنوں کہ اقبال ہمدم مرا / نوازندہ شد قطبِ عالم مرا
چنیں بخششے کز تو جم یافتم / در ایام پیشینہ کم یافتم
کنوں لابد از سحر سنج چو من / باندازۂ بخشش آید سخن
جرا ید کزیں پیش پرداختم / چوں ایں نامۂ خاص کم ساختم

سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے بعد چار پانچ مہینے تک خسرو خاں کی سلطنت رہی۔ اور اراکین سلطنت کو چار و ناچار اُس کی اطاعت کرنا پڑی لیکن امیر خسروؒ نے اس پُر آشوب

برائے نام سلطنت کے بعد ۸ محرم ۷۱۷ھ ۱۳۱۷ء کو قطب الدین مبارک شاہ[۵۱] تخت پر بیٹھا امیر خسروؒ نے مثنوی نہ سپہر اسی بادشاہ کے نام پر لکھی ہے جس کے صلہ میں اس نے ہاتھی کے[۵۲] ہموزن زرو جواہر اُن کو عطا فرمایا تھا۔ امیر خسروؒ اس مثنوی میں تحریر فرماتے ہیں۔

[۵۱] قطب الدین مبارک شاہ نے تخت نشین ہوکر اوّل اوّل تو اچھا انتظام کیا لیکن تھوڑے ہی دنوں میں عیش و عشرت میں مبتلا ہو گیا اور ایک غلام حسن نامی پر ایسا فریفتہ ہوا کہ اُس کو خسرو خاں کا خطاب دیکر وزارت کا منصب عطا کیا ۷۱۸ھ ۱۳۱۸ء میں قطب الدین کوتوال کو گوالیار بھیجکر دعویداران سلطنت یعنی اپنے بھائیوں خضر خاں اور شادی خاں اور شہاب الدین خاں کو قتل کرا دیا۔ رفتہ رفتہ خسرو خاں کا ایسا عروج ہوا کہ اُسکو سلطنت کی ہوس پیدا ہوئی اور اُس نے سلطنت کے عہدوں پر اپنی قوم کے آدمی بھرنا شروع کئے۔ اراکین سلطنت نے بادشاہ کو کئی بار سمجھایا مگر اس غفلت شعار بادشاہ نے جو خسرو خاں پر فریفتہ تھا ایک نہ سنی بلکہ اُلٹا اُن اراکین سلطنت کے پیچھے پڑ گیا جنھوں نے خسرو خاں کی شکایتیں کی تھیں اس غفلت کا یہ نتیجہ ہوا کہ شب پنجم ماہ ربیع الاوّل ۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء کو خسرو خاں نے بادشاہ کو قصر ہزار ستون میں قتل کر ڈالا اور راتوں رات جملہ امیروں اور اراکین سلطنت کو جن سے کچھ خوف تھا بادشاہ کے نام سے قصر ہزار ستون میں بلاکر قید کرلیا اور صبح کو اپنا خطاب ناصر الدین شاہ مقرر کرکے تخت نشین ہوا۔

[۵۲] منقول ہے کہ ایک بادشاہ نے ہاتھی کا اس طرح وزن کرایا تھا کہ ہاتھی کو ایک کشتی میں بٹھایا۔ جس قدر کشتی ہاتھی کے وزن سے پانی میں ڈوبی اُس مقام پر نشان بنادیا اسکے بعد کشتی میں اس قدر اینٹ پتھر بھرے کہ اُسی نشان تک پانی آگیا۔ جب ان اینٹوں اور پتھروں کو وزن کرایا تو تین ہزار من پختہ شاہجہانی ہوا۔ اسی وزن پر اس صلہ کو قیاس کرنا چاہیئے۔

اُس نے امیر خسروؒ کو اپنی مصاحبت میں رکھا اور اِس قدر قدر افزائی کی کہ اِس سے پہلے کسی عہد میں نہیں ہوئی تھی۔ ان کی سب سے آخری تصنیف تغلق نامہ ہے جو اِسی بادشاہ کے نام پر لکھا تھا۔

۷۲۴ھ ۱۳۲۳ء میں غیاث الدین تغلق بنگالہ جاتے وقت امیر خسروؒ کو اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ واپسی کے وقت کسی خاص کام کے واسطے اِن کو لکھنوتی میں چھوڑ آیا تھا۔ جہاں سے وہ اُس کی وفات کے بعد محمد شاہ تغلق کے عہد میں واپس آئے جس کا حال دوسرے مقام پر تحریر کیا جاویگا۔

امیر خسروؒ نے غیاث الدین بلبن کے زمانہ سے محمد شاہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴) لکھنوتی سے واپس آتے وقت حضرت کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ میں دہلی آتا ہوں اب یا تو آپ ہی وہاں رہینگے یا میں ہی رہونگا آپ نے اُس وقت ارشاد فرمایا کہ ہنوز دہلی دور است۔ اُسی دن سے یہ قول بطور ایک ضرب المثل کے آج تک مشہور چلا آتا ہے۔ منقول ہے کہ جب بادشاہ دہلی کے قریب آپہنچا تو بعض مریدانِ جان نثار نے حضرت سلطان المشائخؒ سے عرض کیا کہ بادشاہ اب دہلی میں آیا ہی چاہتا ہے حضرت چند روز کے واسطے مصلحتاً کسی دوسرے مقام پر تشریف لے چلیں آپ نے آسمان کی طرف دیکھکر یہ قطعہ پڑھا قطعہ

قصد ظالم بہ سوئے کشتن ماست	دلِ مظلوم ما بسوئے خدا ست
او دریں فکر تا بما چہ کند	من دریں فکر تا خدا چہ کند

زمانہ میں دربار سلطنت سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھا۔ جب غازی الملک نے جو علاؤ الدین خلجی کے عہد کا ایک نامی امیر اور دیبالپور کا حاکم تھا دربار کا یہ حال سنا تو اُس کے دل میں غیرت اسلامی نے جوش مارا اور اپنے آقا کے خون کا بدلا لینے پر کمر باندھی اور دہلی کی طرف کوچ کیا اندرپت کے میدان میں خسرو خاں سے لڑائی ہوئی جس میں خسرو خاں کو شکست ہوئی اور وہ گرفتار ہوکر دوسرے دن غازی الملک کے سامنے لاکر قتل کیا گیا اور یکم شعبان ۷۲۱ھ / ۱۳۲۱ء کو سب امیروں کے اتفاق سے غازی الملک غیاث الدین[1] تغلق کے خطاب سے تخت نشین ہوا

[1] غیاث الدین تغلق یہ بادشاہ عاقل اور سلیم الطبع اور رحیم تھا۔ نماز کا سخت پابند اور ہمیشہ باجماعت ادا کرتا تھا امورات سلطنت کو نہایت عدل و انصاف سے سرانجام دیتا تھا۔ خسرو خاں اور قطب الدین کے عہد میں جو خرابیاں سلطنت میں پیدا ہوگئی تھیں اُنہیں اِس نے اپنے حُسن انتظام سے بہت جلد دور کیا ۷۲۴ھ / ۱۳۲۳ء میں بنگالہ کے صوبہ دار کی شکایت میں کچھ عرضیاں اِسکے دربار میں آئیں اُن کی تحقیقات کے واسطے بادشاہ خود لکھنوتی کو روانہ ہوا اور ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء میں وہاں سے واپس آیا۔ شاہزادہ الغ خاں (محمد تغلق) نے تغلق آباد سے تین کوس پر افغاں پور میں ایک عالیشان چوبی محل تین دن میں طیار کرایا اور وہاں بادشاہ اور امراء کی ضیافت کا سامان مہیا کیا۔ بادشاہ جس وقت کھانے سے فارغ ہوا اور ہاتھ دھونے لگا کہ یکایک محل کی چھت گر پڑی اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ مشہور ہے کہ اِس بادشاہ کو کسی وجہ سے حضرت سلطان المشایخ رح سے خصومت ہوگئی تھی چنانچہ اُسنے (صفحہ ۵۵ دیکھو

حاصل کرنے کا موقع ملے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

سرائے آفرینش سرسری نیست	زمین و آسماں بے داوری نیست
دراندیش اے حکیم از کار ایام	کہ پاداشِ عملہا شد سرانجام

کیقباد نے اپنے چچا زاد بھائی کیخسرو کو بے قصور قتل کرایا دوسرے سال اُسے بھی یہی روز بد دیکھنا پڑا جلال الدین خلجی نے سید مولیٰ کو شہید کراکر اپنی نیک نام سلطنت پر بدنما دھبہ لگایا لیکن تھوڑے دن بھی اطمینان سے سلطنت نہ کرنے پایا کہ خود بھی اُسی مصیبت میں گرفتار ہوا۔ علاؤ الدین نے اپنے چچا سے جو افسوسناک برتاؤ کیا اُس کی سزا اُس کی اولاد کو ملی[1] کافور اپنی نمک حرامی سے فوراً ہی دنیا سے کافور ہوگیا۔ قطب الدین نے خضر خاں اور شادی خاں وغیرہ کے قتل سے اپنے ہاتھوں کو رنگا اُس کے شامتِ اعمال سے بہت جلد اُس کا خاتمہ بھی بدترین طریق سے ہوا۔ خسرو خاں کی نمک حرامی نے خسروی کی آرزو میں اپنی عزیز جان کو بھی کھویا۔ نیازی نے بلند پروازی سے دنیا کے مکافات عمل کا کیا خوب خاکہ کھینچا ہے **مثنوی**

صبح چو خورشید علم بر فراشت	نقشِ دگر اخترِ عالم نگاشت
تافت چو بر سطحِ زمین و زماں	فیض رساں گشت بہ بحر و بہ کاں

[1] منقول ہے کہ جب علاؤ الدین کے خاندان کی تباہی ہوئی تو ایک مجذوب صاحب کمال سے کسی نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہوتا ہے اُنھوں نے جواب دیا کہ جو آگ علاؤ الدین نے اپنے ولی نعمت چچا کے خاندان میں لگائی تھی وہ اُسکے خاندان کے آگے آئی ہے ۱۲

تغلق کے عہد تک گیارہ[۵۱] بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور سات بادشاہوں[۵۲]
کی ملازمت اور مصاحبت کی۔ خاندان غلامان کی با اقبال سلطنت
کا چراغ اُن کے سامنے گُل ہوگیا اور خاندانِ خلجی کے آفتاب
اقبال کے طلوع وغروب کو اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا
مشہور مؤرخ سر ایلیٹ کی رائے ہے کہ خسرو ایسے زمانہ میں ہوا
ہے کہ جب ہندوستان میں اخلاق کا خون ہو رہا تھا واقعی یہ
رائے بہت صحیح ہے کیونکہ غور سے دیکھنے والوں کو ہندوستان کے
صفحاتِ تاریخ میں یہ دور بہت سیاہ وتاریک نظر آتا ہے اور اسی
عہد کے مسلسل کشت وخون اور سازشوں اور طوائف الملوکی
نے اکثر یوروپین مؤرخوں سے ہندوستان کی اسلامی تاریخ کو قصائی
کی دوکان کے نام سے موسوم کرایا ہے۔ اِس عہد کے مسلسل
مختصر حالات صرف اِس غرض سے بیان کئے گئے ہیں کہ ناظرین کو
امیر خسرو رح کے زمانہ کا مفصل حال معلوم ہو جاوے۔ اور نظرِ عبرت
سے دیکھنے والوں کو دنیا میں مکافاتِ عمل سے نصیحت اور عبرت

۵۱ غیاث[۱] الدین بلبن۔ معز[۲] الدین کیقباد۔ کیومرث[۳] الملقت بہ شمس الدین (چند روزہ)۔ جلال[۴] الدین فیروز شاہ خلجی۔ رکن[۵] الدین ابراہیم شاہ (چار ماہ) علاؤ[۶] الدین خلجی۔ شہاب[۷] الدین عمر تین ماہ۔ قطب[۸] الدین مبارک شاہ۔ ناصر[۹] الدین خسرو خان۔ غیاث[۱۰] الدین تغلق شاہ۔ محمد[۱۱] تغلق۔

۵۲ غیاث[۱] الدین بلبن کے عہد میں شاہزادہ محمد سلطان۔ معز[۲] الدین کیقباد۔ جلال[۳] الدین فیروز شاہ۔ علاؤ[۴] الدین خلجی۔ قطب[۵] الدین مبارک شاہ۔ غیاث[۶] الدین تغلق۔ محمد[۷] تغلق (چند روزہ)

جلال کے ایسے اوج کمال پر پہنچے کہ جہاں تک پہنچنا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا ہے لیکن نہایت دانشمندی سے کسی وقت میں امورات سلطنت میں دخل نہیں دیا نہ سلطنت کی کسی مالی و ملکی خدمت کا لینا پسند کیا اُن کی اِس دانشمندانہ حکمت عملی کی جس قدر تعریف و توصیف کی جاوے کم ہے۔

باب چہارم

وفات۔ مذہب۔ اخلاق و عادات اور اولاد

(وفات)

امیر خسرو رح جیساکہ باب سوم میں لکھا گیا ہے ۷۲۴ھ ۱۳۲۳ء ہجری میں سلطان غیاث الدین تغلق کے ہمراہ لکھنوتی تشریف لیگئے تھے ہنوز وہاں سے واپس نہ آنے پائے تھے کہ ۱۷ یا ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء کو حضرت سلطان المشایخ رح نے وصال فرمایا جب لکھنوتی میں اُن کو اِس حادثۂ جانگاہ کا حال معلوم ہوا نہایت بیتاب ہوکر وہاں سے روانہ ہوئے اور بہ تعجیل تمام روتے پیٹتے دہلی پہنچے اور تمام سر کے بال کٹواکر اور مُنہ سیاہ کرکے مزار مقدس حضرت سلطان المشایخ رح پر حاضر ہوئے اور کھڑے ہوکر

تاکہ ز اطوار قضا و قدر | مور ضعیفے بہ یکے رہگذر
بود ز ناسازیِ نفسِ لئیم | از پئے یکدانہ دراں رہ مقیم
سعی کناں ہر طرفے می شتافت | تا ز قضا دانۂ مقصود یافت
دانہ کش از رہ چو بروں پا نہاد | چشم یکے مرغ برو اوفتاد
حملۂ بیداد براں مور کرد | روز براں چوں شبِ دیجور کرد
کرد تقاضاے فرو بُردنش | بُرد چو منقار بخوں خوردنش
تا شدہ آں مور بحلقش فرو | مرغ دگر حملہ در آمد برو
کرد ورا بال بچنگال بند | تا سرش از کزلکِ منقار کند
مرغکے از کرد دلِ مور ریش | یافت ہماں لحظہ مکافاتِ خویش
تا بتوانی بہ کسے بد مکن | نیک زی و دشمنی خود مکن
پند نیازی بشنو زینہار | تا نخوری خون ز بد روزگار

سلطنت کے اس پے در پے انقلاب اور متواتر تغیرات نے سیکڑوں شریف خاندانوں اور اہلِ فضل و کمال کو تباہ برباد کردیا کیونکہ ہر بادشاہ کی تباہی کے ساتھ ہی اُس کے اُمرا اور مصاحبین اور متعلقین پر بھی تباہی آنا ضروری بات تھی۔ امیر خسرو کی ہر دل عزیزی سلامت روی اور دانشمندی اور نیک نیتی وغیرہ کے اوصاف و خوبی کی اس سے زیادہ کیا سند پیش کی جا سکتی ہے کہ اس پُر آشوب زمانہ میں ہر بادشاہ کے عہد میں اُن کی قدر و منزلت بڑھتی ہی گئی اور اُنہوں نے باوجود اس کے کہ جاہ و

دریں سرائے فنا فکرِ سروری ہیچ است بچشمِ عقل گر رنگری جہاں خوابیست	غمِ گدائی و فکرِ تونگری ہیچ است بخواب شادی و غم ہر چہ بنگری ہیچ است

(نکتہ) امیر خسرو رح نے مثنوی خضر خاں میں جس مقام پر حضرت سلطان المشائخ رح کا ذکر کیا ہے وہاں اپنی یہ تمنّا بھی ظاہر کی تھی ؎

کلامش را نیارم نام گیرم زہے بخت ار تہِ پالیش بمیرم	

چونکہ اُن کی یہ تمنّا صمیم قلب سے تھی لہذا یہ بیت بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہوئی اور وہ اِس سعادت سے مشرف ہوئے۔

امیر خسرو رح خود فرماتے ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ رح اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تیری زندگی میری بقا پر موقوف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ امید وار ہوں کہ حضور کے قدموں پر مروں۔

منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رح نے اکثر ارشاد فرمایا ہے کہ امیر خسرو رح میرے بعد زندہ نہ رہیگا۔ جب رحلت کرے میرے پہلو میں دفن کرنا کیونکہ وہ میرا صاحبِ اسرار ہے اور میں بغیر اُسکے بہشت میں قدم نہ رکھونگا اور اگر دو شخصوں کا ایک قبر میں دفن کرنا شریعت میں جائز ہوتا تو میں وصیت کرتا کہ اُسے میری قبر میں دفن کریں تاکہ ہم دونوں قبر میں بھی یکجا رہتے[1]۔ سبحان اللہ کیا رتبہ ہے۔

[1] تاریخ فرشتہ۔ سبع سنابل۔ سیر الاولیا وغیرہ

نہایت رقت سے فرمایا کہ سبحان اللہ آفتاب زیر زمین پنہاں ہو اور خسرو زندہ رہے۔اس کے بعد کششِ عشق اور جذبۂ محبت کے جوش و خروش میں اپنا سر مزار مبارک پر دے مارا اور بیہوش ہوگئے۔جب ہوش آیا کہا کہ اے مسلماناں من کدام کس باشم کہ برائے اینچنیں بادشاہے بگریم فاما برائے خود گریم کہ بعد از سلطان المشایخ رح مرا چنداں بقائے نخواہد بود

اس کے بعد اپنا کل مال و اسباب نقد و جنس فقرا اور مساکین پر تقسیم کیا اور اُس کا ثواب حضرت سلطان المشایخ رح کی روح کو پُہنچایا اور کل امورات دنیوی سے دستکش ہوکر۔سیاہ کپڑے پہنے اور مزارِ شریف پر آ بیٹھے[۵۱] اور غم مفارقتِ پیرِ بزرگوار میں شب و روز مثل ماہی بے آب تڑپتے تھے ؎

چشمہائے عاشقاں را خواب نیست	یک زماں آں چشمہائے آب نیست
خواب را با دیدۂ عاشق چہ کار	چشمِ او چوں شمع باید اشک بار

اسی رنج و الم میں چھ مہینے کے بعد بُدھ کے دن ۱۸ شوال[۵۲] ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء کو اُنہوں نے بھی اِس دار ناپائدار سے بجانب روضۂ قدس انتقال فرمایا اور پائین اپنے مرشد کامل کے یارانِ چبوترہ پر مدفون ہوئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔رباعی

۵۱ سیر الاولیا۔سفینۃ الاولیا۔مونس الارواح۔تذکرۃ الواصلین۔جواہر فریدی۔فرشتہ۔
۵۲ تاریخ فرشتہ میں تاریخ رحلت ۱۹ار ذیقعدہ ۷۲۵ھ یوم پنجشنبہ لکھی ہے لیکن تحقیقات سے ۱۸ شوال ہی صحیح معلوم ہوتی ہے ۱۲

پر یہ اشعار بھی کندہ ہیں۔

اے شربت عاشقی بہ جامت		وز دوست زماں زماں پیامت
شد سلک فرید از تو منظوم		زانست کہ شد لقب نظامت
جاوید بقا است بندہ خسرو		چوں شد بہ ہزار جاں غلامت
	دیگر	
مرا نام نیک است و خواجہ عظیم		دو شین و دو لام و دو قاف و دو جیم
اگر نام یابی دریں حرف ما		بدانم کہ ہستی تو مردے فہیم

(مذہب)

حضرت امیر خسرو رح کا مذہب سنت و جماعت تھا۔ حنفی طریق اعتقاد سے دل نورانی تھا۔ جسمیں صوفی مشربی اور مرشد کامل کی توجہ نے حقائق و معارف کے دروازے کھول دئے تھے وہ احکام اور فرائض شریعت کو کمال عقیدت اور نیاز مندی سے بجا لاتے تھے۔ باوجود شغل امارت اُن کی ریاضت اسقدر درجۂ اعلیٰ پر پہنچی تھی کہ چالیس برس برابر صائم الدہر رہے [۹۱] ہر شب کو ایک کلام مجید ختم کرتے تھے [۹۲] اور نماز تہجد میں سات پارے پڑھا کرتے تھے [۹۳]

[۹۱] تاریخ فرشتہ۔ مونس الارواح۔ سفینۃ الاولیا۔ نفحات الانس۔ تاریخ فیروز شاہی وغیرہ

[۹۲] تذکرۃ الکاملین [۹۳] سیر الاولیا۔ مونس الارواح وغیرہ

جب امیر خسرو رح نے انتقال فرمایا اور لوگوں نے چاہا کہ وصیت کے موافق اُن کو حضرت سلطان المشائخ رح کے پہلو میں دفن کریں اُس وقت ایک خواجہ سرا کہ منصب وزارت رکھتا تھا مانع ہوا۔ اور کہا کہ حضرت کے مریدوں کو حضرت رح اور امیر خسرو رح کے مزار میں شبہ واقع ہوگا۔ مجبور ہوکر اُن کو شیخ کے پائیں یاروں کے چبوترہ پر دفن کیا گیا ۹۱

امیر علاؤ الدولہ قزوینی صاحب تذکرہ نفائس المآثر تحریر کرتے ہیں کہ جس زمانہ میں مہدی خواجہ جو بابر بادشاہ بانیِ سلطنتِ مغلیہ کے امرائے عظیم الشان سے تھا امیر خسرو رح کا مقبرہ تعمیر کرا رہا تھا مولانا شہاب الدین معمائے نے یہ قطعہ تاریخ وصال پتھر پر کندہ کراکر اُن کے لوح مزار پر نصب کرادیا تھا قطعہ ۹۲

میر خسرو خسروِ ملکِ سخن	آں محیطِ فضل و دریائے کمال
نثر او دلکش تر از ماءِ معیں	نظمِ او صافی تر از آبِ زلال
بلبلِ بستاں سرائے داد و دیں	طوطیِٔ شکر مقالِ بے مثال
از پئے تاریخ سالِ فوتِ او	چوں نہادم سر بہ زانوئے خیال
شد عدیم المثل یک تاریخ او	داں دگر شد طوطیِٔ شکر مقال

صاحبِ تاریخ جدولیہ تحریر فرماتے ہیں کہ امیر خسرو رح کے مزار

۹۱ تاریخ فرشتہ ۹۲ تذکرۃ الکاملین میں اس قطعہ تاریخ کو امیر حسن علاء سنجری کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

(اخلاق و عادات)

امیر خسروؒ کی تصنیف و تالیف اور اُن کے حالات سے جو مصنفوں اور تذکرہ نویسوں نے لکھے ہیں واضح ہوتا ہے۔ کہ خوش اخلاقی۔سخاوت و راستی۔ نیاز و خاکساری۔خوش مزاجی و یار باشی میں وہ اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ خدا ترسی اور رحم و شفقت اُن کی عام تھی۔ اُن کا مقولہ ہے کہ ہرکہ خود را بیند خدائے را نہ بیند ہرکہ از خدا نہ ترسد ازو باید ترسید۔ مزاج میں تکلف بالکل نہ تھا۔سب سے بے تکلف باتیں کرتے اور خلق و محبت کے موتی پروتے تھے۔کسی کی دل شکنی کرنا بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔باوجود مصاحبت شاہی اور کمال جاہ و حشمت کے اپنے آپ کو کمترین مخلوق سے سمجھتے تھے۔خود فرماتے ہیں

غرہ بہ نزدیکیِ سلطاں مشو		بلبلِ باغے مگسِ خواں مشو
ہست وے از خرمنِ ہستی خسے		تا تو چہ باشی کہ کمی زو بسے

اُن میں تعصب نام کو نہ تھا ہر مذہب و ملت کے لوگوں سے ایسے خلوص و اخلاص سے ملتے تھے کہ کسی طرح کی دوئی نہ معلوم ہوتی تھی۔ اُمراء اور بادشاہوں کے یہاں سے قصائد مدح وغیرہ کے صلہ میں جو بے شمار دولت ملتی تھی وہ سب خیرات کر دیتے تھے۔صرف اُسی کو اپنے صرف میں لاتے جو خود کسب و محنت سے حاصل کرتے تھے۔ علاوہ دیگر شہادتوں کے

عارفِ کامل مولانا جامیؒ نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ پانچ مرتبہ خواب میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اپنے پیر حضرت سلطان المشائخ کے ہمراہ بطریق طی ارض سعادت حج سے مفتخر ہوئے تھے۔

حضرت سلطان المشائخ رح سے منقول ہے کہ اگر قیامت کے دن خداوند تعالیٰ مجھ سے فرماویگا کہ دنیا سے میرے واسطے کیا لایا تو میں ترک اللہ کو پیش کرونگا[۱] آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کسی چیز پر ناز کریگا اور میں اس ترک اللہ کے سوز سینہ پر ناز کرونگا اور خدا مجھے اس ترک کے سوز سینہ کے سبب بخشئے[۲] اس موقع پر یہ شعر بھی آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

گرز بہرِ ترک تُرکم اتہ بر تارک نہند
تَرکِ تارک گیرم و امّا نہ گیرم تَرکِ تُرک

منقول ہے کہ سوز سینہ آتش عشقِ حقیقی سے اسقدر تھا کہ پیراہن مبارک آپ کا قلب کی جگہ سے ہمیشہ سوختہ رہا کرتا تھا۔ بلکہ یہ کیفیت تھی کہ جس وقت نیا کپڑا پہنتے اُسی وقت دل کی جگہہ سے جل جاتا تھا[۳]

[۱] سفینۃ الاولیا۔ سبع سنابل [۲] تاریخ فرشتہ۔ نفحات الانس
[۳] تذکرۃ الاولیاے ہند۔ سفینۃ الاولیا۔

ایک نصیحت آمیز خط میں بیٹے کو لکھتے ہیں۔

بر نوازش بادشاہ نیز نازش نشاید زیراکہ چشمۂ خورشید چنانکہ آبروئے دہد آبروئے نیز تواند برد۔ و دریا بداں آب کہ گوہر بر مردم رساند مردم را نیز بگوہر تواند رسانید شعر

الا ان ذو العقل لم یعتمد	علی الماء والنار والامر

(یعنی آگاہ ہو کہ صاحب عقل پانی اور آگ اور حاکم پر اعتماد نہیں کرتے) بادشاہ اگرچہ خنداں خنداں خزانۂ گوہر کشاید بداں فتحیاب دل نہ باید بست کہ دراں حال صفت ضحاک دارد اگرچہ فریدوں دادگر است بیت

ہست دنداں سپید کردنِ شیر	از پئے لعل کردنِ دنداں

اس کے بعد شاعری اور مدح کی برائیاں بیان کرکے لکھتے ہیں۔

چوں چنیں است صلۂ شعر را کہ گدائی است حرام بحرمت تمام بر گدایانِ بے حرمت ایں کار بباید گذاشت و سکہ بہ مہر سکوت بہ دہاں زد و خطبہ القناعۃ مملکۃ را در ہفت اقلیم وجود بلند کرد۔ قناعت بادشاہی است۔ نظم

زشاعری چو من آراید اینچنیں آشام	زدم زشرم چو قاروں فرود زیر زمین

سفینۃ الاولیا میں دارا شکوہ تحریر فرماتے ہیں کہ جس وقت شیخ سعدیؒ دہلی میں امیر خسروؒ سے ملنے تشریف لائے اُس وقت ان کے پاس صرف ایک درہم اپنی خاص محنت کی کمائی کا موجود

خود اُن کے کلام ذیل سے پایا جاتا ہے کہ محض ابنائے جنس کی ہمدردی اور حاجت برآری کی غرض سے وہ اُمرا اور بادشاہوں کی خدمت اور مصاحبت کی زحمت اُٹھاتے تھے۔ ع

من کہ نہادم ز سخن گنج پاک	گنج زر اندر نظرم چیست خاک
گر دہدم تاجورِ سربلند	دُر نتوان باز بدریا فگند
ورنہ دہد زان خودم رائگاں	رنجہ نہ گردم چو تہی مانگاں
یک جو ازیں فن چو بداماں نہم	دہ کنم آنرا و بہ صد تن دہم
شیرم و ریخ از پئے یاراں برم	نے چو سگِ خانہ کہ تنہا خورم
ہرچہ کہ پنہاں کنی از محرماں	سنگ ہماں باشد و گوہر ہماں
مار کہ گنجش بود اندر مغاک	حاصلِ او چیست ازاں گنج پاک

اُن کے کلام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بالطبع بادشاہوں کی صحبت اور مداحی کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک رباعی میں فرماتے ہیں

رباعی

از گفتنِ مدح دل بمیرد	شعر ارچہ تر و فصیح باشد
گردد ز نفس چراغ مردہ	گر خود نفسِ مسیح باشد

بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں ع

چوں من نشوی کہ ہر زمانے	سازم بہ دروغ داستانے
در دل کندت ہنر فزائی	پیشہ نہ کنی ثنا سرائی
کز مدح چو در طمع کشد پائے	در صفتِ سراں نباشدت جائے

اِس نے کیا کام کیا ہے[۱]

امیر خسروؒ کے محلہ کے کنارے پر چمّو نام ایک بڑھیا ساقن کی دوکان تھی شہر کے بیہودہ اور اوباش لوگ اُس کی دوکان پر بھنگ چرس پیا کرتے تھے۔ جب امیر خسروؒ اپنے گھر آتے جاتے تو وہ بھی سلام کرتی اور کبھی کبھی حقہ بھر کر سامنے لے کھڑی ہوتی تھی۔ چونکہ انہیں کسی کی دل شکنی گوارا نہ تھی لہذا یہ بھی اُسکی دل شکنی کے لحاظ سے دو ایک گھونٹ پی لیا کرتے تھے ایک دن اُس نے اِن سے کہا کہ آپ ہزاروں غزلیں۔ گیت۔ راگ۔ راگنی بناتے ہیں اور کتابیں لکھتے ہیں کوئی چیز اس لونڈی کے نام بھی بنا دیجئے۔ اُنہوں نے کہا کہ بی چمّو بہت اچھا۔ کئی دن کے بعد اُس نے پھر کہا کہ بھٹیاری کے لڑکے کے لئے خالق باری لکھدی اگر لونڈی کے نام بھی کچھ لکھ دوگے تو کیا ہوگا آپ کے صدقہ میں ہمارا نام بھی دنیا میں رہ جاویگا اُس کے بار بار کے کہنے سے کچھ خیال آگیا۔ کہا کہ لو بی چمّو سنو۔

اوروں کی چوپہری باجے چمّو کی اٹھ پہری	بادشاہ کے یہاں اُس زمانہ میں چوپہری نوبت بجا کرتی تھی امیر خسروؒ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہوں سے بھی بڑھی
باہر کا کوئی آ سکے ناہیں آئیں سارے شہری	جنگلی گنواروں کا کام نہیں سفید پوش آتے ہیں
صاف صوف کر آگے راکھے جسمیں ناہیں توسل	پیالہ بھنگ صاف مصفے حاضر کرتی ہے جسمیں تُش تنکا نہ ہو۔
اوروں کے جہاں سینگ سماوے چمّو کے وہاں موسل	بھنگڑ فخریہ کہا کرتے ہیں کہ وہ ایسی بھنگ پیتا ہے کہ جسمیں گاڑھے پن کے سبب سے سینگ کھڑی رہے آپ مبالغہ کرتے ہیں کہ یہ ایسی بھنگ بناتی ہے کہ جسمیں موسل کھڑا رہے۔

[۱] تذکرہ آبحیات ۱۲

تھا وہ اُنھوں نے شیخ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ جو کچھ مال دنیوی میرے پاس ہے وہ یہ ہے جو کچھ ارشاد ہو اس میں سے مہیا کروں۔ شیخ نے از راہِ ظرافت جواب دیا کہ اس کا تیل چراغ کے واسطے خرید لاؤ تاکہ تمام شب ہم تم ہم صحبت رہیں۔

حاضر جوابی اور خوش اخلاقی

حضرت سلطان المشائخ رہ کے یہاں ایک سیاح درویش مہمان تشریف لائے۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد باتیں شروع ہوئیں سیاح نے ایسے دفتر کھولے کہ بہت رات گئے تک ختم نہ ہوئے۔ حضرت نے انگڑائیاں جمائیاں بھی لیں مگر وہ سادہ لوح کسی طرح نہ سمجھے۔ حضرت نے اخلاق کی وجہ سے مہمان کی دل شکنی گوارا نہ کی اور بیٹھے سنتے رہے۔ امیر خسروؒ بھی حاضر تھے مگر خاموش بیٹھے ہوئے تھے جب آدھی رات کی نوبت بجی اُس وقت حضرت نے ان سے فرمایا کہ خسرو کیا بجا ہے اُنھوں نے جواب دیا کہ آدھی رات کی نوبت بجی ہے۔ حضرت نے ان سے کہا کہ اسمیں کیا آواز آتی ہے۔ فوراً جواب دیا کہ سمجھ میں تو ایسا آتا ہے۔

نان کہ خوردی خانہ برو۔ نان کہ خوردی خانہ برو۔ خانہ برو۔ خانہ برو۔
نان کہ خوردی خانہ برو۔ نہ کہ بدست تو کردم خانہ گرو۔ خانہ برو۔ خانہ برو۔

حرف حرف کی حرکت و سکون پر خیال کرو۔ ایک ایک چوٹ کو کیا کیا پورا ادا کر رہے ہیں اور نہ کہ بدست تو کردم خانہ گرو۔ کو دیکھو کہ

امیر خسروؒ کو اپنی اولاد سے بہت محبت تھی اور اُن کی تعلیم و تربیت پر بہ دل و جان مصروف تھے۔ اُنہوں نے اپنی کل تصنیف و تالیف میں بیٹوں اور بیٹی کو قابل قدر نصیحتیں کرکے اُن کی آئندہ زندگی کے واسطے ایک مکمل دینی اور دنیوی دستور العمل بنا دیا تھا۔

مولانا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان فیروز شاہ کے زمانہ کے بڑے شاعروں میں ملک احمد امیر خسروؒ کا بیٹا تھا اور یہ بادشاہ کے مصاحبوں میں سے تھا اگرچہ اُس کا کوئی دیوان مشہور نہیں ہے مگر اُس نے جو متقدمین کے کلام میں دخل دیا ہے وہ اکثر لوگوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ ظہیر فاریابی کی اس بیت میں تصرف کیا ہے ؎

کلاہ گوشۂ حکم تو از طریق نفاذ	ربودہ از سرِ گردوں کلاہ جباری

ملک احمد نے کہا کہ اس طرح ہونا چاہئے تھا ؎

زہے طپانچۂ قہر تو از طریقِ نفاذ	فگندہ از سرِ گردوں کلاہِ جباری

دیگر ظہیر

این سہل سہل بود کہ گوگرد سرخ خواست	گرنانِ خواجہ خواستی آنرا چہ کردئی

ملک احمد

این سہل سہل بود کہ آبحیات خواست	گرنانِ خواجہ خواستی آنرا چہ کردئی

ایک اس بیت میں بھی تصرف کیا ہے۔

امیر خسروؒ کی بدولت آج بی چھّو کا نام بھی دنیا میں چلا جاتا ہے[1]

اولاد

میری قاصر نظر سے کسی تاریخ یا تذکرہ میں امیر خسروؒ کی اولاد کا حال نہیں گذرا اُنہیں کی مختلف تصنیفات سے پتہ چلتا ہے کہ غیث الدین احمدؒ۔ عین الدین احمدؒ۔ یمین الدین مبارک تین بیٹے تھے اور ان تینوں سے بڑی ایک بیٹی تھی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیٹی کے پیدا ہونے کے بعد انہیں بیٹے کی بڑی آرزو تھی۔ بیٹی کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں۔

کاش ماہِ تو ہم بچہ بودے	در رحم طفل ہشت مہ بودے
لیک چوں دادۂ خدائے رواست	با خدا دادگاں ستیزہ خطاست
من پذیرفتم انچہ یزداں داد	کانچہ او داد باز نتواں داد
شکر گویم بہرچہ از درِ اوست	کاں دہد بندہ راکہ در خورِ اوست
ہرچہ او داد بس پسندیدست	ہم در اول صلاحِ او دیدست
پدرم ہم ز مادر ست آخر	مادرم نیز دختر ست آخر
گر نہ پرِ دُرِ صدف نقاب شدے	قطرۂ آب باز آب شدے
دانہ بے کشت کے ببار آید	آسماں بے زمیں چہ کار آید
بے پدر ممکن ست شد معلوم	چوں مسیحا ز مریم معصوم
لیک بے مادرِ خجستہ وجود	ولدے را نہ گفتہ کس مولود

[1] تذکرہ آبحیات ۱۲

باب پنجم

ایجاد و اختراع

صانعِ قدرت نے امیر خسروؒ کے دل و دماغ میں عقل و دانائی کا وہ بیش بہا نورانی جوہر موج زن کیا تھا کہ یہ صاحبِ کمال نہ صرف ایک بلند خیال شاعر اور انشا پرداز ہی تھا بلکہ جامع علوم ظاہری و باطنی اور منبع کمالات صوری و معنوی تھا۔ جس فن کو دیکھئے اُسی میں اُسے کمال حاصل تھا۔ تاریخی میدان میں وہ ایک صاحب نظر مورخ اور فقہ کے عالیشان دربار میں ایک دانشمند فقیہہ اور تصوف کے رنگ میں ثانی شبلیؒ و بایزیدؒ اور فن موسیقی میں کامل الفن اور شہرۂ آفاق تھا۔

ضیاء الدین برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی کا یہ لکھنا کہ ایسا صاحب کمال جس کو اس قدر فنون میں کمال حاصل ہو نہ پیدا ہوا ہے اور نہ اُمید ہے کہ قیامت تک پیدا ہو کچھ زیادہ مبالغہ آمیز نہیں معلوم ہوتا۔

آپ کی طبع رسا کو فن موسیقی میں ایسا دخل حاصل تھا کہ بڑے بڑے صاحب کمال موسیقی داں اور گویّے آپ کی شاگردی

گر سنگ خواند خاکِ درت را فلک مرنج		نرخِ گہر بطعنِ خریدار نشکند

ملک احمدؒ

گر لعل خواند سنگ درت مشتری مرنج		نرخ گہر بطعن خریدار نشکند

ان کے علاوہ بعض اور شعر بھی نظر سے گذرے ہیں مگر یاد نہیں رہے اور چونکہ ملک احمدؒ جناب امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے یادگار تھے اس سبب سے اُن کے اس تصرفات کو بادشاہ اور امیر اور فضلائے عہد بہت پسند کرتے اور غنیمت جانتے تھے صاحب منتخب التواریخ یا کسی دوسرے مؤرخ کی تحریر سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ملک احمدؒ امیر خسروؒ کے کس بیٹے کا خطاب تھا۔

سیر الاولیا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امیر خسروؒ کا ایک بیٹا امیر حاجی کے نام سے موسوم تھا اور ایک دن اُس نے امیر خسروؒ کی غزل جس کا مقطع یہ ہے حضرت سلطان المشایخؒ کے روبرو اِس خوش الحانی سے گائی تھی کہ آپ کو نہایت ذوق اور وجد پیدا ہوا تھا ؎

خسرو تو کیستی کہ در آئی دریں شمار
کیں عشق تیغ بر سر مردانِ دیں زدہ است

گیت

جو پیا آون کہہ گئے۔ آجہوں نہ آئے سوامی ہو۔ اے ہو جو پیا آون کہہ گئے۔
آون آون کہہ گئے آئے نہ بارہ ماس۔ اے ہو جو پیا آون کہہ گئے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ گیت بھی آپ ہی کا ایجاد کیا ہوا ہے اور بروا راگ میں لے بھی انہیں کی رکھی ہوئی ہے۔ بڑی بڑی عورتوں کے گانے کے لئے تو ایسے گیت تھے چونکہ چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو پیا اور سوامی کی یاد میں اس طرح گانا مناسب نہ تھا لیکن دل میں اُمنگ تو وہ بھی رکھتی تھیں اُنہیں بھی فصل کی بہار منانی تھی اُنکے لئے اور گیت بنائے تھے جسمیں سے ایک یہ ہے۔

اماں میرے باوا کو بھیجو جی .... کہ ساون آیا	یعنی مجھے آکر لیجاوے
بیٹی تیرا باوا تو بڈھا ری .... کہ ساون آیا	یعنی وہ کیونکر آسکتا ہے
اماں میرے بھائی کو بھیجو جی .... کہ ساون آیا	
بیٹی تیرا بھائی تو بالا ری .... کہ ساون آیا	یعنی بچہ اکیلا اتنی دور کیونکر آوے
اماں میرے ماموں کو بھیجو جی .... کہ ساون آیا	
بیٹی تیرا ماموں تو بانکا ری .... کہ ساون آیا	بھلا وہ میری کب سنیگا [۹۱]

بہار راگ اور بسنت کے میلے نے بھی امیر خسروؒ کی طبیعت سے رنگ پکڑا ہے اور ستار کی ایجاد کا فخر بھی آپ ہی کو حاصل ہے جو بین کو مختصر کرکے ایجاد کیا گیا ہے [۹۲]

[۹۱] آب حیات

[۹۲] آب حیات و مطلع العلوم

کو فخر سمجھتے تھے نایک گوپال جو اپنے وقت میں اِس فن کا اُستاد اور یکتائے زمانہ تھا دکن سے صرف آپ کی شہرت و کمال کا حال سُنکر دہلی آیا اور مدتوں آپ کی صحبت میں رہکر کمال حاصل کیا اِسی طرح جس ساونت بھی جو فن موسیقی کے کاملین میں شمار ہوتا ہے آپ ہی کا صحبت یافتہ تھا[۱]۔

آپ کی طبیعت اختراع میں اعلیٰ درجہ صنعت و ایجاد کا رکھتی تھی فن موسیقی میں کئی چیزیں آپ کی ایجاد کردہ ہیں۔ دُھرپت کی جگہ قول و قلبانہ بناکر بہت سے راگ ایجاد کئے اور گیت بنائے ہیں۔ قبولیت عام واقعی خداداد چیز ہے اِس صاحب کمال کے کلام کو خدا نے ایسی قبولیت عام کی دولت عطا فرمائی ہے کہ باوجود اِس کے کہ زمانہ چھ سو برس آگے بڑھ آیا زبان کچھ سے کچھ ہوگئی مگر اُن کے بنائے ہوئے گیت اُسی طرح آج تک ہندوستان کے زن و مرد کی زبان پر جاری ہیں ورنہ لوگوں نے ہزاروں گیت بنائے اور گانے والوں نے گائے۔ آج ہوئے کل بھول گئے۔ دہلی اور ہندوستان کے اکثر شہروں میں برسات کے موسم میں عام عورتیں جھولے ڈالتی ہیں اور مل ملکر جھولتی اور گیت گاکر اپنا جی خوش کرتی ہیں اُن میں شاید ہی کوئی عورت ہو جو یہ گیت نہ گاتی ہو۔

[۱] مطلع العلوم ۱۲

منقول ہے کہ جب حضرت سلطان المشایخؒ کی یہ خواہش ہوتی کہ قوالی سنیں تو امیر خسروؒ اور امیر حسنؒ حضرت کے جانب راست بیٹھتے اور مُبشّر غلام زر خرید آپ کا جانب چپ بیٹھتا تھا مجلس میں درویشانِ صاحب کمال اور صوفیانِ اہل وجد و حال کثرت سے جمع ہوتے تھے اوّل امیر خسروؒ صوفیانہ طریقہ سے غزلیں اور بیتیں پڑھتے اور جس بیت پر حضرت سلطان المشایخؒ اپنا سر ہلاتے اُس کو امیر حسنؒ اور مُبشّر مکرر سہ کرّر زبان پر لاتے اور ایسا سماں باندھتے تھے کہ حضرت وجد میں آجاتے تھے [۱]

صاحب سیر الاولیا تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن جبکہ غیاث پور میں میرے والد ماجد کے مکان پر امیر خسروؒ نے حضرت سلطان المشایخؒ اور بزرگانِ شہر کی دعوت فرمائی تھی سماع شروع ہوا۔ اوّل بہلول قوال نے امیر حسنؒ کی یہ غزل گائی۔

زہے ترکے کہ از خمہاے ابرو	کماں پیدا کند پنہاں ز تدبیر
بگوشِ مدعی کے جاے گیرد	فرامیرے کہ ہست اندر مزامیر

اس کے بعد امیر خسروؒ نے اپنی غزل شروع کی لیکن صرف مطلع پڑھکر اُس کو چھوڑ دیا اور شیخ سعدیؒ کی یہ غزل شروع کردی اور اس خوش الحانی سے گائے کہ تمام حُضّار مجلس کو رقّت پیدا ہوئی۔ [۲]

[۱] تذکرۃ الواصلین ۔تاریخ فرشتہ ۱۲

منقول ہے کہ ایک دن ایک کوچہ سے امیر خسروؒ کا گزر ہوا دُھنیا ایک دوکان پر روئی دُھنک رہا تھا کسی نے کہا کہ جس دُھننے کو دیکھو ایک ہی انداز پر روئی دُھنتا ہے۔سب ایک ہی اُستاد کے شاگرد ہیں کوئی بولا قدرتی اُستاد نے سب کو ایک ہی انداز پر سکھایا ہے آپ نے فرمایا کہ سکھایا بھی ہے اور ایک حرکت میں بھی تال کو جانے نہیں دیا۔کوئی بولا لفظوں میں کیونکر لاسکیں فرمایا۔

درپئے جاناں جاں ہم رفت۔جاں ہم رفت۔جاں ہم رفت۔رفت۔رفت۔جاں ہم رفت۔
ایں ہم رفت وآں ہم رفت۔آں ہم رفت۔آں ہم رفت۔انہم۔آنہم۔انہم۔آنہم۔آنہم رفت
رفتن۔رفتن۔رفتن دِہ۔دِہ۔دِہ۔رفتن دِہ۔رف۔رف۔رفتن دِہ۔رفتن دِہ ۵۱

قوالی

روشِ قوالی جو آج کل جاری ہے یہ بھی حضرت امیر خسروؒ کی ایجاد سے ہے اِس سے پہلے اگرچہ سرود و سماع جملہ خواجگانِ چشت قدس اللہ ارواحہم سنتے تھے مگر کوئی قاعدہ اور طریقہ مقرر نہ تھا چونکہ حضرت سلطان المشایخؒ کو سماع سے بہت شوق تھا اس وجہ سے امیر خسروؒ نے صوفیانہ طریقہ سماع میں بہت سی نئی باتیں اور قاعدہ ایجاد کرکے اُس کو قوالی کے نام سے موسوم کیا اکثر حضرت سلطان المشایخؒ آپ کو بخطاب مفتاح السماع یاد فرمایا کرتے تھے ۵۲

۵۱ تذکرہ آب حیات ۵۲ سفینۃ الاولیا۔سبع سنابل۔تذکرہ اولیارہند

بے خرد را عیب نتواں کرد در ترک ادب
عیب نبود مور بر تختِ سلیماں گر بود
مطربے می گفت خسرو را کہ اے گنجِ سخن
علمِ موسیقی ز جنسِ نظم نیکو تر بود
زانکہ ایں علمے ست کز دقت نیاید بر قلم
واں نہ دشوارست کاندر کاغذ و دفتر بود
پاسخش گفتم کہ من در ہر دو معنی کاملم
ہر دو را سنجیدہ بر وزنے کہ آں بہتر بود
فرق من گویم میانِ ہر دو معقول و درست
تا دہد انصاف آں کز ہر دو دانشور بود
نظم را علمے تصور کن بنفسِ خود تمام
گو نہ محتاجِ سماع و صوتِ خنیاگر بود
گر کسے بے زیر و بم نظمم فرو خواند رواست
نے بمعنی ہیچ نقصاں نے بلفظ اندر بود
ور کند مطرب بسے ہاں ہاں و ہوں ہوں در سرود
چوں سخن نبود ہمہ معنیٔ او ابتر بود
نائے زن را بیں کہ صوتے دارد و گفتار نے
لاجرم در قول محتاجِ کسے دیگر بود
پس دریں صورت ضرورت صاحبِ صوت و سماع
از برائے شعر محتاجِ سخن پرور بود

معلمست ہمہ شوخی و دلبری آموخت		جفاؤ ناز عتاب و ستمگری آموخت

اسی طرح جب اپنی غزل شروع کرتے صرف مطلع پڑھکر دوسرے کی غزل شروع کردیتے تھے۔ مجلس ختم ہونے کے بعد کسی نے اُن سے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ تھی کہ جب آپ اپنی غزل شروع کرتے تھے صرف اُس کا مطلع پڑھکر دوسرے کی غزل شروع کردیتے تھے جواب دیا کہ جب میں اپنی غزل شروع کرتا تھا اِس قدر معنی ہجوم لاتے تھے کہ اُس کے ضبط سے حیران ہوکر دوسرے کی غزل شروع کردیتا تھا۔

یہ بھی صاحب سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت امیر خسروؒ کو قوالی میں ذوق پیدا ہوا اور وہ ہاتھ اُٹھاکر رقص کرنے لگے۔ اُس وقت حضرت سلطان المشایخؒ نے اُن کو اپنے پاس بُلاکر ارشاد فرمایا کہ تم دنیا سے تعلق رکھتے ہو۔ تمھارے واسطے جائز نہیں ہے کہ ہاتھ اُٹھاکر رقص کرو۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کیا خوب فرماتے ہیں۔

	رقص وقتے مسلمت باشد	کاستیں کز دو عالم افشانی	

امیر خسروؒ نے اپنے اور ایک گویتے کے مکالمہ کو نظم کیا ہے اُنھیں وہ خود بھی اپنے فن موسیقی کے کمال کو ظاہر کرتے ہیں۔ وہ مکالمہ یہ ہے۔ ؎

حسن اخلاق از خردمنداں تواں کردن طلب
خر بود آں کو ادب جستن بسوئے خر بود

مدعا کہ ہیچ شمہ مارا ازیں ساز پرگداز رہائی نیست بیت

چہ رہ بود ایں کہ زد در پردہ مطرب		کہ می رفتند باہم مست وہشیار

ترانہ عشاق ——— در حقیقت و مجاز و سوز پوز اصفہان و عراق پر فراق چہ رسد اولی و النسب آنست کہ ہوشمند دانش پیوند ——— شکرخند نہاد نیرنگ تبریز ——— انگیز و صدائے درآور بگو سرراہ کم نکند پیوستہ سلاک سلوک سلمک ولو سلاک کہ نوا ——— سوزاند از سما تا سمک از دست نذہد و مقامات اصل شتافتہ ہموارہ آں یگانہ در دوگانہ شب و روز سہ گانہ موالید عشرت جہان افروز و چہار ارکان حیرت نشان بہ اداے بے ریائی پنجگانہ خلاصہ اوقات را مصروف دارد۔ یقین داں کہ دریں حال قوالان مغلوب و مسکوب و راست کاران برگزیدہ مجبوب۔ ع

	از ہمہ غم رستی اگر راستی	

ملا عبد الحمید لاہوری بادشاہ نامہ میں بواقعات ۱۰۴۷ھ ایک واقعہ کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ قبل امیر خسروؒ کے ہندوستان کے قدیم گویوں کا مدار تصانیفی پر جیسے گیت اور چندو اور دہرو اور استت کہتے ہیں تھا لیکن چونکہ یہ لغمات کہ کرناٹکی زبان میں تھے جیسے اِس طرف کے آدمی نہیں سمجھتے تھے اِس وجہ سے سامعین کو کچھ لطف نہیں آتا تھا امیر خسروؒ نے حسب ذیل چار نئے راگ ایجاد کئے۔

نظم را حاصل عروسی دان و نغمہ زیورش
نیست عیبے گر عروس خوب بے زیور بود
من کسے را آدمی دانم کہ داند ایں قدر
ور نداند پرسد از من ور نہ پرسد خر بود

ایک قلمی پرانی کتاب میں امیر خسروؒ کا ایک رقعہ بھی علم موسیقی کی نسبت نظر سے گذرا ہے جس کی نقل درج کیجاتی ہے جس مقام سے پڑھا نہیں گیا وہاں لکیر کھینچ دی گئی ہے

رقعہ بعلم موسیقی بیار تحقیقی

بشنو اے یار حقیقی علم موسیقی عجب علم الیست۔ طوطئ نفس ناطقہ بے ــــــ علائق جسمانی در شکرستان ذوق محظوظ گشتہ وعندلیب ارواح از زمرۂ روح افزا روح الارواح پر شوق محو شدہ در قالب در آمد و قانون نغمہ عیش و ارغنون عشرت و طنبور طرب ساز کردہ بایں ترانہ تن زد بیت

تن چو در آید بنوائے سرود		ــــــ آہنگ ہوائے تو بود

سبحان اللہ عجیب و غریب ترانہ است کہ مردان صاحب حال در عشق ابرو ماہ ہلال از پردہ مدار بر آمدہ۔ سوائے غزل و آہنگ چنگ در سماع آمدند بغیر نشاء آب انگور ــــــ عرب و عجم سرمست شدہ از کوچک و بزرگ دست افشاں و پائے کوباں تن تن گویاں

تن تن بگوئے اے دل تا تن زتن بدانی	بیت	تا نقش ہر تنے را از ہر تنے بخوانی

یہ امر غالباً دلچسپی سے دیکھا جاویگا کہ اقلیم تصنیف و تالیف میں سب سے پہلے امیر خسروؒ کی اختراع پسند طبیعت نے ایک نیا طلسم خانہ انشاء پردازی کا کھولا یعنی برج بھاشا کی زمین میں فارسی کا بیج بویا اور اُس سے وہ ہونہار بچہ عالم ظہور میں آیا جسنے پیدا ہوکر ہندی اور ہوش سنبھال کر ریختہ اور جوانی کے عالم پر پہنچکر اُردو نام اختیار کیا۔ خالق باری جس کا اختصار آج تک بچوں کے ورد زبان ہے اسی طلسم خانہ انشاء پردازی کی بنیاد ہے۔ یہ اُس وقت کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی اِس کے علاوہ بہت سی پہیلیاں۔ مکرنیاں۔ انمل۔ دوسخنے وغیرہ امیر خسروؒ کی یادگار سے اِس وقت تک باقی ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ جیسی اُس زمانہ میں یہ چیزیں مقبول خلایق تھیں ویسی ہی آج بھی ہیں۔ نمونہ کے طور پر اُن میں سے کچھ درج کیجاتی ہیں[1]

آنکھوں کے علاج میں ایک مجرب نسخہ دوہروں کی بحر میں لکھتے ہیں

لودھ۔ پھٹکری۔ مردہ سنگ افیون چنا بھر مرچیں چار پوست کے پانی پوٹلی کرے		ہلدی۔ زیرہ ایک ایک ٹانک اُورد برابر تھوتھا ڈار ترت پیر نینوں کی ہرے

پہیلیان

بنولی کی پہیلی

تروَر سے ایک تریا اُتری اُسنے بہت رجھایا باپ کا اُسکے نام جو پوچھا آدھا نام بتایا

[1] تذکرہ آب حیات ۱۲

اوّل قول، بقانون گیت جو بزبان عربی یا فارسی نظم یا نثر پر مشتمل تھا اور جس کی بنیاد ایک یا دو یا تین یا چار تال پر رکھی تھی۔

دوم فارسی۔ اس میں اشعار فارسی کو ساتھ ترانہ کے اوپر ایک تال کے فراہم کیا تھا۔

سوم ترانہ۔ کہ بے اشعار کے بنیاد اُس کی اوپر ایک تال کے رکھی تھی۔

چہارم تصانیفی۔ ہندی زبان میں مثل خیال وغیرہ کے ایجاد کئے ہیں۔

ہماری زبان اُردو اور امیر خسروؒ

اُردو بولنے والے بہت سے لوگ اس امر سے واقف ہیں کہ ہماری زبان اُردو کی ماں برج بھاشا ہے جو ہندوستان میں اہل اسلام کے آنے سے پہلے شمالی ہند کے عوام کی زبان تھی اسکے بعد جو مسلمان ہندوستان میں آئے وہ عام طور سے وہی رائج الوقت فارسی بولتے تھے جس میں عربی ترکی الفاظ کثرت سے موجود تھے چونکہ ہر وقت ایک جگہ کے رہنے سہنے۔ باہمی مقدمہ معاملہ۔ لین دین میں ایک دوسرے کے الفاظ کے بغیر بولے چارہ نہ تھا اس ارتباط اور اختلاط سے قدرتاً ایک تیسری زبان پیدا ہونا شروع ہوئی۔

امیر خسروؒ کو پیاس لگی کوئیں پر جاکر ایک سے پانی مانگا اُن میں سے ایک اِنہیں پہچانتی تھی اُس نے اوروں سے کہا کہ دیکھو کھسرو (خسرو) یہی ہے اُنہوں نے پوچھا کہ تو خسروؒ ہے جسکے سب گیت گاتے ہین اور پہیلیاں اور مکرنیاں اور انمل سنتے ہین۔ انہوں نے کہا ہاں۔ اسپر انمیں سے ایک بولی کہ مجھے کھیر کی بات کہدے۔ دوسری نے چرخے کا نام لیا۔ اور تیسری نے ڈھول۔ چوتھی نے کُتّے کا۔ انہوں نے کہاکہ پیاس کے مارے دم نکلا جاتا ہے پہلے پانی تو پلادو وہ بولیں کہ جب تک ہماری بات نہ کہدیگا پانی نہ پلاوینگے۔ اُنہوں نے چاروں کی طرف مخاطب ہوکر کہا۔

انمل۔ کھیر پکائی جتن سے۔ چرخہ دیا جلا۔ آیا کتّا کھا گیا۔ تو بیٹھی ڈھول بجا۔ لا پانی پلا

ڈھکوسلا

ڈھکوسلا بھی آپ ہی کی ایجاد سے ہے۔

ڈھکوسلا۔ بھادوں کی پکّی پیلی۔ چوچو پڑی کپاس۔ بی مہترانی دال پکاؤگی۔ یا ننگا ہی سو رہوں

دو سخنے

ہندی۔ گوشت کیوں نہ کھایا۔ ڈوم کیوں نہ گایا — گلا نہ تھا

جوتہ کیوں نہ پہنا۔ سنبوسہ کیوں نہ کھایا — تلا نہ تھا

ہندی فارسی۔ سوداگر را چہ می باید — بوچے کو کیا چاہیئے — دوکان

تشنہ را چہ می باید — ملاپ کو کیا چاہیئے — چاہ

شکار بچہ می باید کرد — قوت مغز کو کیا چاہیئے — بادام

آدھا نام پتا پر پیارا بوجھ پہیلی موری امیر خسرو یوں کہیں اپنا نام نبولی

آئینہ کی پہیلی۔

فارسی بولے آئینہ ترکی سوچے پائے نا ہندی بولی آرسی آئے مُنہ دیکھو جو اسے بتائے

ناخن کی پہیلی۔ بیسوں کا سر کاٹ لیا۔ نا مارا ناخون کیا۔

لال کی پہیلی

اندھا گونگا بہرا بولے گونگا آپ کہائے دیکھ سفیدی ہُوت انگارا گونگے سے بھڑ جائے

بانس کا مندروا کا باشا۔ باشے کا وہ کھاجا سنگ ملے تو سر پر راکھیں وا کو راؤ راجا

سی سی کر کے نام بتایا تا میں بیٹھا ایک اُلٹا سیدھا ہر پھر دیکھو وہی ایک کا ایک

بھید پہیلی میں کہی تو سُن لے میرے لال عربی ہندی فارسی تینوں کرو خیال

مکرنیاں

مکرنیوں کا موجد بھی امیر خسروؒ کو کہا جاتا ہے۔

مکرنی (۱) سگری رین مُوہے سنگ جاگا بھور بھئی تو بچھڑن لاگا
اسکے بچھڑے پھاٹت ہیا اے سکھی ساجن۔ ناسکھی دیا

مکرنی (۲) سرپ سلونا سب گن نیکا وابن سب جگ لاگے پھیکا
واکے سر پر ہووے کون اے سکھی ساجن۔ ناسکھی لون

مکرنی (۳) وہ آوے تب شادی ہوئے اُس بن دوجا اور نہ کوئے
میٹھے لاگین واکے بول اے سکھی ساجن۔ ناسکھی ڈھول

انمل

ایک کوئیں پر چار پن ہاریاں پانی بھر رہی تھیں راستہ چلتے چلتے

خواہ وہ مفرد ہو یا مرکب معمّہ بنا سکتے ہیں۔

ابوبکر - رباعی

شب خواجہ ابوبکر بدیدم در راہ — گفتم کہ شوم زسرِ نامش آگاہ
مارا چو ز درہائے عرب بیروں بُرد — برعکس سوار شد ز تیزی ناگاہ

نمونہ کے طور پر اس معمہ کا حل بھی درج کیا جاتا ہے۔
درہائے کا ترجمہ عربی میں ابواب ہے اور ما کا ترجمہ آب- ابواب میں سے آب کو نکال لیا تو ابو باقی رہا۔ سوار شد کا ترجمہ رکب ہوا۔ اسکو لوٹا تو بکر ہوا اور دونوں کو ملایا تو ابوبکر ہوگیا۔

حسین

اے خواجہ حسین مکرّم نیکو نام — در نام خود از بندہ شنو رمز تمام
نیمے ز فرو تیغ یمانی بشکن — وز بالا باز گو نہ کن نیم نیام

فاطمہ

امشب کہ مرا بود بہ بازار گذر — می جستم از فاطمۂ خویش خبر
لفظ اندازی برفت بالائے قمر — ماہے بسرش بود بیفتاد ز سر

خدیجہ

آنم کہ مرا وصفِ شما حاجت نیست — نامت چو خدیجہ است ثنا حاجت نیست
رخسارۂ من از سرِ کوشش دیدی — کوشش نیک است رہنما حاجت نیست

ابراہیم

ابراہیما نام تو چو بر خوانادم — بنوشتم و مشک از سرِ کلک افشاندم

اِس طلسم خانۂ انشا پردازی کی ایک غزل بھی ملاحظہ ہو۔ اسمیں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ بنیاد عشق کی عورت کی طرف سے قائم کی ہو جوکہ خاصّہ نظم ہندی کا ہے۔

غزل

زحالِ مسکیں مکن تغافل درآئے نیناں بنائے بتیاں ورائے
کہ تابِ ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

شبانِ ہجراں دراز چوں زلف وروزِ وصلت چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں۔ تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے۔ پیارے پی کو ہماری بتیاں

چو شمع سوزاں چو ذرّہ حیراں زمہرآں مہ بگشتم آخر
نہ نیند نیناں۔ نہ انگ چیناں نہ آپ آویں۔ نہ بھیجیں پتیاں

بحق روزِ وصالِ دلبر۔ کہ داد مارا فریب خسرو
سپیت من کے ورائے راکھوں۔ جو جائے پاؤں پیا کی کھتیاں ۵۱

ایجادات متعلق انشا پردازی

اِس بلند خیال اور عالی دماغ باغبان نے گلستان انشاء پردازی میں جو نئے پیوند لگائے ہیں اُن کا اگر مفصل حال بیان کیا جائے تو اُس کے واسطے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے جن صاحبوں کو گلستان انشاء پردازی کی سیر کا شوق ہو وہ اُن کی کتاب اعجاز خسروی کو ملاحظہ فرماویں اور دیکھیں کہ اِس صاحب کمال نے کیا کمال دکھایا ہے۔ اِس مقام پر نمونہ کے طور پر چند معمّے مترجم درج کئے جاتے ہیں یہ طریق خاص امیر خسروؒ کا وضع کردہ ہے۔ اور اِس کا قاعدہ یہ ہے کہ معمّہ میں لفظ فارسی کا لاکر عربی مین اور عربی کا لاکر فارسی میں ترجمہ کرکے معمہ کو حل کیا جاتا ہے امیر خسروؒ کا دعویٰ تھا کہ وہ عربی فارسی ترکی ہندی چاروں زبان کے ہر نام کا

دوام کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ حضرت امیر خسروؒ کے حالات زندگی کی نہایت دل آویز تصویر اُن کی نیک نام زندگی اور تصنیف و تالیف اور اُن کا بے نظیر کلام ہے کہ جس کی وجہ سے اِس صاحبِ کمال کو بقائے دوام کا مرتبہ حاصل ہے۔ زمانہ نے اُن کی تصنیف و تالیف اور مبارک کلام کو قبولیت عام کی سند عطا فرماکر فصاحت کے کتب خانہ میں جگہ دی ہے۔ ہندوستانیوں کے کلام میں جو قبولیت اور شہرت اس منتخب روزگار کے کلام کو حاصل ہوئی وہ بہت کم کسی کے کلام کو نصیب ہوئی اور حقیقت تو یہ ہے کہ سر زمین ہند سے اس فرزانۂ روزگار نے اُٹھکر ایرانی اربابِ فضل و کمال پر روشن کردیا کہ فصاحت و بلاغت صرف اُنہیں کا حصّہ نہیں ہے اور اپنے اِس دعویٰ کی تائید میں بڑے بڑے فضلا اور اہل کمال سے محضر لکھوالیا۔ مشرقی شعراء کے سرتاج اور اخلاقی فلاسفروں کے شہنشاہ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے نہ صرف اُن کے کلام کو پسند کیا بلکہ شاہزادہ محمدؐ سلطان کو یہ بھی لکھا کہ خسروؒ دہلوی اِس فن میں کامل ہے اِس کو مغتنمات سے سمجھ کر عزیز رکھو[۱]۔ عارفِ کامل مولانا جامی کا قول ہے کہ امیر خسروؒ نے ہر میدان میں قدم مارا ہے۔ قصیدے کہے۔ غزلیات کا دیوان لکھا۔ مثنویاں لکھیں۔ اور سب کو کمال کے درجہ تک پہنچا دیا۔

[۱] تذکرۃ الکاملین ۱۲

یک سوزنِ دُم شکستہ دیدم ناگاہ		اندر تہِ آں نگر کہ حیراں ماندم
	زیبا	
روئے زیبا چو ماہ در مقنع بیں او ماہ رفیع نام او ارفع بیں		در ذکر رُخش غلغلہ در مجمع بیں بالاش آبی و از فرودش مع بیں
	گنگا	
گنگا کہ وے از لطف و صفا شد روشن از دانۂ سنبلہ ذنب بیروں بُر		نامش برخواں کہ آبت آید بہ دہن وانگاہ بگیر ثور و پایش بشکن

باب ششم

علمیت اور تصنیفات اور اُسپر رائے

انسان جب مرتا ہے تو اُس کا نام بھی مٹ جاتا ہے مگر صاحبانِ تصنیف و تالیف کی زندگی بھی عجیب اور اُن کی موت بھی عجیب ہے کہ مرنے کے بعد بھی وہ زندہ رہتے اور زندہ کہلاتے ہیں۔ اور زندوں کی طرح بولتے چالتے ہین۔ چشمۂ آبِ حیات جسے ہم سُنتے آئے ہین وہ صرف ایک فرضی اور خیالی چشمہ ہے اُس کو نہ کسی نے دیکھا اور نہ اُس کا پانی پیا در اصل آبِ حیات تصنیف و تالیف اور نیک زندگی کا نام ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کو بقائے

انتظام کرتے مگر اس طوائف الملوکی اور روز مرّہ کے ملکی تغیرات نے اور بھی کسی کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ اور سیکڑوں ہزاروں نادر و نایاب کتابیں کس مپرسی کی حالت میں ہمیشہ کے لئے صفحۂ دنیا سے نیست و نابود ہوگئیں۔ اس کے بعد اکبر و جہانگیر اور شاہجہاں اور عالمگیر کی پُرامن سلطنت میں اُن کی علمی قدردانی سے جو ذخیرہ جمع ہوا اُس میں سے کچھ تو ۱۸۵۷ء کے خوفناک غدر میں ضائع ہوگیا اور جو کچھ باقی بچا تھا وہ ہم جاہلوں کی لاپرواہی کی وجہ سے ہماری صحبت سے بیزار ہوکر قدردانانِ علم و فضل یعنی اہل یورپ کے کتب خانوں کو ہجرت کرگیا اور اُن کی زیب و زینت کا باعث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان ننانوے ۹۹ کتابوں یا ایک کتب خانہ میں سے صرف چند کتابوں کے نام جو اُنگلیوں پر گنے جاسکتے ایں ہمیں معلوم ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

مثنوی[1] قران السعدین۔ مثنوی[2] مطلع الانوار۔ مثنوی[3] شیرین خسرو۔ مثنوی[4] لیلیٰ مجنون۔ مثنوی[5] آئینۂ اسکندری یا سکندر نامہ۔ مثنوی[6] ہشت بہشت۔ مثنوی[7] خضر نامہ یا خضر خان و دول رانی۔ مثنوی[8] نہ سپہر۔ مثنوی[9] تغلق نامہ۔ خزائن[10] الفتوح یا تاریخ علائی۔ انشائے[11] خسرو یا خیالات خسرو۔ رسائل[12] الاعجاز یا اعجاز خسروی۔ افضل[13] الفوائد۔ راحت[14] المحبین۔ خالق[15] باری۔ جواہر[16] البحر۔ مقالہ[17]۔ دیوان تحفۃ[18] الصغر۔ دیوان[19] وسط الحیات۔ دیوان[20] غرّۃ الکمال۔ دیوان[21] بقیہ نقیہ۔

حضرت امیر خسروؒ عربی - فارسی - ترکی - ہندی چار زبانوں کے فاضل اور نظم و نثر دونوں میں یکساں کمال رکھتے تھے - آپ کی کثرت تصنیف و تالیف کا حال اس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ صرف آپ کی اُن کتابوں کی تعداد جو سلکِ نظم میں منسلک کیں ننانوے (٩٩) اور آپ کے اشعار کی تعداد علاوہ کلام ہندی کے چار اور پانچ لاکھ کے درمیان ہیں بتائی جاتی ہے - حاجی لطف علیخان آذر صاحبِ تذکرہ آتشکدہ کا بیان ہے کہ اس تعداد میں سے ایک لاکھ اشعار خود میری نظر سے گذرے ہیں - ضیاء الدین برنی صاحبِ تاریخ فیروز شاہی تحریر کرتے ہیں کہ اُن کی تصنیف و تالیف اس قدر ہے کہ نظم و نثر میں گویا اُنہوں نے ایک کتب خانہ تصنیف کردیا ہے -

قاعدہ ہے کہ علمی قدردانی اور کتابوں کی حفاظت امن و امان کے زمانہ میں ہوا کرتی ہے - امیر خسروؒ نے زمانہ اچھا نہ پایا خود اُن کے عہد اور اُن کی وفات سے شہنشاہ اکبر کی پُرامن سلطنت تک (یعنی ٧٢٥ھ ١٣٢٤ء سے ٩٦٣ھ ١٥٥٥ء تک) دو سو ڈھائی سو برس برابر طوائف الملوکی کا بازار گرم رہا - اگرچہ ہندوستانیوں کی یورپ والوں کی طرح کبھی اس طرف توجہ نہیں ہوئی کہ نامور شعراء اور مصنفوں اور دیگر اربابِ کمال کی یادگاریں قائم کرکے اُن کی تصنیف و تالیف اور کمالات کی یادگاروں کو حوادثِ روزگار سے محفوظ رکھنے کا

امیر خسروؒ نے حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب کا حال بیان کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری کتاب اُس صاحب کمال (شیخ سعدیؒ) کی گلستاں کے مقابلہ میں کبھی مقبول نہیں ہو سکتی۔ امیر خسروؒ نے اُسی وقت جمنا پر جاکر وہ کتاب جمنا میں ڈبو دی۔

امیر خسروؒ کی فصاحت و بلاغت کی جو عظمت اور عقیدت ہندوستانیوں کے دل میں ہے وہ ذیل کے لطیفہ سے بخوبی واضح ہوتی ہے۔

لطیفہ۔ ایک دن مرزا غالب مرحوم کے ایک شاگرد رشید نے اُن سے آکر کہا کہ حضرت آج میں امیر خسروؒ کی قبر پر گیا تھا۔ مزار پر کھرنی کا درخت ہے۔ اُس کی کھرنیاں میں نے خوب کھائیں۔ کھرنیوں کا کھانا تھا کہ گویا فصاحت و بلاغت کا دروازہ کھُل گیا۔ دیکھئے تو میں کیسا فصیح ہو گیا ہوں۔ مرزا صاحب نے ازراہِ ظرافت جواب دیا کہ ارے میاں تین کوس کیوں گئے۔ میرے پچھواڑے کے پیپل کی پیپلیاں کیوں نہ کھالیں۔ چودہ طبق روشن ہو جاتے۔

حضرت امیر خسروؒ کی تصنیف و تالیف مندرجہ بالا کا مختصر فوٹو یہ ہے۔

مثنوی قران السعدین

یہ مثنوی حضرت امیر خسروؒ نے سلطان معزالدین کیقباد کی فرمائش

دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے علاوہ چند نسخے اُن کی تصنیف سے علم موسیقی وغیرہ میں بھی ہیں۔

منقول ہے کہ جب امیر خسروؒ کوئی کتاب ختم فرماتے تھے تو اول اُس کو حضرت سلطان المشایخؒ کی خدمت بابرکت میں پیش کرتے تھے۔ آپ اُس کو اپنے دست مبارک میں لیکر فاتحہ پڑھتے اور بعد فاتحہ پڑھنے کے امیر خسروؒ کے ہاتھ میں دیدیتے تھے اور بعض مرتبہ کتاب کھول کر چند سطریں بھی پڑھ لیتے تھے۔ یہ بھی مشہور چلا آتا ہے کہ امیر خسروؒ نے ایک کتاب گلستاں کے جواب میں بھی لکھی تھی جب اُس کو حضرت سلطان المشایخؒ کی خدمت میں بغرض فاتحہ لیگئے۔ آپ نے فرمایا کہ کل لانا اور اپنی چادر امیر خسروؒ کو دی کہ آج اِس کو اوڑھ کر سو رہنا۔ امیر خسروؒ حسب ارشاد چادر اوڑھ کر سوئے۔ خواب میں دیکھا کہ دربار میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں اور ایک شخص حضرت کے روبرو کھڑا ہوا کسی کتاب میں سے کچھ پڑھ رہا ہے۔ امیر خسروؒ نے جب غور سے سنا تو معلوم ہوا کہ وہ یہ قطعہ پڑھ رہا ہے۔

بلغ العلیٰ بکمالہ	کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ	صلوا علیہ و آلہ

اِس کے بعد امیر خسروؒ نے دیکھا کہ دربار کے ایک کونے پر حضرت سلطان المشایخؒ دست بستہ کھڑے ہوئے ہیں۔ جب صبح ہوئی

اُن سے قصہ کے واقعات اور اُن جذبات امید و بیم کی جو ناظرین کے دلوں میں واقعات قصہ سے پیدا ہوتے ہیں۔سرسری تشریح بھی ہوجاتی ہے اور چونکہ شاعر خود برابر معرکہ میں موجود رہا تھا اِس وجہ سے وہ واقعات قصہ میں پورا دخل رکھتا ہے اور اس طرح سے اِس کتاب میں رزم اور بزم کی غزلیات نہایت پر لطف طور سے ملی ہوئی ہیں اور واقعات کے ہر حصہ کے نظری اور ذہنی دونوں پہلو دکھلائے گئے ہیں۔

اِس مثنوی کو امیر خسروؒ نے رمضان ۶۸۸ھ / ۱۲۸۹ع میں تین مہینے کے عرصہ میں خلعت نظم پہنایا ہے اِس میں تین ہزار نوسو اُنچاس (۳۹۴۹) بیتیں ہیں۔یہ چھپ گئی ہے اور عام طور سے دستیاب ہوتی ہے بخوف طوالت کسی واقعہ یا غزل کی پوری نقل درج کرنے سے معذور رہکر بطور نمونہ مختلف مقامات کی چند بیتیں درج کیجاتی ہیں۔

دہلی کی تعریف میں

حضرتِ دہلی کنفِ دین و داد	جنتِ عدن ست کہ آباد باد
ہست چو ذاتِ ارم اندر صفات	حرسہا اللہ عن الحادثات
ملک ز دروازۂ او فتحیاب	سیزدہ دروازہ و صد فتح باب
نام بلندش رہِ بالا گرفت	تا بختن شد رہِ یغما گرفت
گر شنود قصۂ ایں بوستاں	مکّہ شود طائف ہندوستاں

کیقباد کے نسب کی نسبت تحریر فرماتے ہیں

پر اُس کے اور اُس کے باپ ناصر الدین بغرا خاں کی ملاقات کے حالات میں لکھی ہے اور آج جو کتابیں اُن کی تصنیف و تالیف سے موجود ہیں اُن میں سب سے پہلی تصنیف ہے۔ پروفیسر کاویل صاحب نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جنرل ۱۸۶۰ء میں اِس کتاب کی چند تمثیلیں تحریر فرماکر اس کی نسبت حسب ذیل رائے تحریر فرمائی ہے۔

یہ نظم جیسا کہ امیر خسروؒ کی کل تصنیفات کا حال ہے مبالغہ اور استعارات سے آراستہ ہے لیکن تاریخی واقعات عموماً سچائی کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت کم نظمیں کسی زبان میں اصلی ترتیب اور واقعات کی خوبیوں کا نباہ کرسکتی ہیں اور جب ہم (تاریخ) فرشتہ کی تحریر کا مقابلہ شاعرانہ حالت میں دیکھتے ہیں (یعنی تاریخی واقعات کو نظم میں پاتے ہیں) تو ہم کو اُن کے اصلی مضمون کی مشابہت سے تعجب ہوتا ہے۔ جگہ جگہ واقعات کے اخیر میں غزلیں درج ہیں جن سے شاعر کے دلی جذبات کا اُس زمانہ کے حالات سے مطابق ہونے کا پتہ چلتا ہے جس زمانہ کا حال اُس واقعہ میں بیان کیا گیا ہے اور اُس کی مثال بالکل اُن گیتوں کے مطابق ہے جو ٹینیسن کی کتاب پرنسیس کے حصّوں کے درمیان میں لکھے گئے ہیں۔ یہ غزلیں مختلف بحروں میں ہیں اور کہیں کہیں دوران کتاب میں آکر جدّت کا ایک خاص لطف پیدا کردیتی ہیں۔ اِس کے ساتھ ہی

پیشہ نکوئی کن و از بد بترس	از بدِ کس نے ز بدِ خود بترس
خود ز مکافات و جزا ہر زماں	ہر چہ کنی نیز بیابی ہماں
ترس خداوند جہاں کن بدل	تا ز خداوند نہ مانی خجل
کار چناں کن کہ بہنگام کار	از درِ یزداں نشوی شرمسار
متفرق نصائح منجانب امیر خسروؒ	
ترکِ طمع گیر۔ و خود شرم دار	تا نہ شوی چوں خجلاں شرمسار
گرسنہ نانے کہ دریں تنگنائے	ناں ز ملک میطلبی نہ از خدائے
تشنہ بمیر آب ز دوناں مخواہ	خوں خور و از خوانچہ شاں ناں مخواہ
دل بقناعت نہ و خورسند باش	مملکت ایں ست خداوند باش
خور کن و آشام بخوناب خویش	از پئے نانے چہ بری آب خویش

مطلع الانوار۔ شیریں خسرو۔ لیلیٰ مجنوں۔ آئینۂ اسکندری۔ ہشت بہشت

یا

پنج گنج خسروؒ

شیخ نظامی گنجویؒ نے جو اُستاد الآفاق اور سرتاج مثنوی گویاں ہیں پانچ مثنویاں اِس خوبی اور فصاحت و بلاغت سے لکھی ہیں کہ اصحابِ فصاحت اور اربابِ بلاغت نے اُن کو خدائے سخن کے نام سے موصوف کیا ہے۔ یہ مثنویاں جو خمسہ نظامی کے نام سے مشہور ہیں حسب ذیل ہیں۔

نور جد از جبہۂ او تافتہ — فرّ جد از فر جد خود یافتہ
شمس جہانگیر جدا با فرشش — اظہر من شمس جد دیگرشش
ناصرِ حق شاہ فرشتہ سرشت — خوئے خوشش نسخۂ باغِ بہشت
جد سوم شاہ غیاثِ اسم — حاکمِ فرماں ز عرب تا عجم
ہر سہ جدش کعبۂ ارکانِ جود — کردہ دو عالم سہ جدش را سجود

نصائح بزبان ناصر الدین لغرا خان

کاے پسر از ملک و جوانی مناز — ناز بدو کن کہ شد او بے نیاز
گرچہ سیاست ز تو شد دستیاب — دستِ ضعیفاں بسیاست متاب
خشم بہر جرم میاور بہ کس — ز آتشِ سوزندہ نگہدار خس
چوں بگناہ معترف آید کسے — عفو نکوتر ز سیاست بسے
چشمِ رعایت ز رعیت مگیر — تا بودت ملک عمارت پذیر
شاخ درختے کہ بود سایہ دار — سایہ نشیں را بود از وے مدار
چوں تو شدی سایۂ یزدانِ پاک — سایہ فشاں باش بریں مشتِ خاک
عدل بود مایۂ امن و اماں — پیش کن ایں مایہ زمیں تا زماں
دولتِ جاوید بنزد است کس — نام نکو دولتِ جاوید لبس
ہر نفس از عمر غنیمت شمر — یاد کن از ملک ورانِ دگر
کاول شاں چرخ بہ بالا کشید — واخر شاں خاک بخارا کشید
قصّہ ضحاک ہمیدوں بخواں — نامۂ جمشید و فریدوں بخواں
نیک و بد از دفتر ایشاں بجوئے — نیک بخاطر کن و بد را بشوئے

گشت چو نقدِ ہمہ قلب آزمائے — سایہ بریدم ز ہمہ چوں ہمائے
دبدبۂ خسرویم شد بلند — غلغلہ در گور نظامی (گنجوی) فگند
آن روشنے بود ز اندازہ دور — عطسہ در آمد بہ دماغم ز نور
نور کہ از خواجہ نظامم (سلطان نظام الدین اولیا قدس سرہٗ) رسید — کامم ازاں رو بنظامم رسید
گرچہ برو ختم سخن (نظامی) مہر بست — سکۂ من مہر زرش را شکست
خاتم اورا چو کشادم نگیں — داد نگینش بمن انگشتریں
خاتمش ار ملک بسلطاں سپرد — خاتمِ دولت بہ سلیماں سپرد
آں گہر آرم کنوں از کانِ غیب — کاب شود عقد ثریا بہ جیب
گرچہ بہ ملکِ سخن از پنج گنج — نوبتِ آں گنجہ نشیں گشت پنج
نوبتِ خسرو کہ بسیجش نواست (مراد خمسہ نظامی) — پنجہ زنِ نوبتِ آں (مولانا نظامی) خسرواست
سازم ازاں ساں بسرائے بسنج — پنج کلید (پنج گنج خسروؒ) از پئے آں پنج گنج (خمسہ نظامی)
کانچہ بہر گنج بود ناپدید — فتح شود ہم بزبانِ کلید
آں نمط آرم کہ ہمہ ناقداں — فرق نہ دانند ازیں تا بداں
ملکِ کہن را چو گرفتم بہ تیغ — گوہرِ خود نیز فشاندم چو میغ
(نظم نظامی)

امیر خسروؒ نے خمسہ نظامی کے جواب میں اپنے پنج گنج کو اس طرح پر ترتیب دیا ہے :-

مخزن اسرار کے	جواب میں	مطلع الانوار
خسرو شیریں کے	"	خسرو شیریں
لیلی مجنوں کے	"	لیلی مجنوں
ہفت پیکر کے	"	ہشت بہشت
سکندر نامہ کے	"	آئینۂ اسکندری

مخزن[۱] اسرار۔ خسرو[۲] شیریں۔ لیلیٰ[۳] و مجنوں۔ ہفت[۴] پیکر۔ سکندر[۵] نامہ۔ انکی ترتیب کی نسبت مولانا نظامی سکندر نامہ میں فرماتے ہیں۔

بسے گنجہائے کہن ساختم	درو نکتہائے نو انداختم
سوِ مخزن آوردم اول پسیچ (مخزن اسرار)	کہ سستی نہ کردم دراں کار ہیچ
وزو چرب شیریں تر انگیختم	بشیرین و خسرو در آمیختم (شیرین خسرو)
وزانجا سرِ پردہ بیروں زدم	درِ عشق لیلی و مجنوں زدم (لیلی مجنوں)
چو از عشق مجنوں بہ پرداختم	سوِ ہفت پیکر فرس تاختم
کنوں بر بساطِ سخن گستری	زنم کوس اقبال اسکندری (سکندر نامہ)

یہ خمسہ مولانا نظامی کا ۵۹۷ھ ۱۲ع میں تکمیل کو پہنچا اور ایسا مقبول خلایق ہوا کہ عام طور سے مشہور ہوگیا کہ اس کا جواب نہیں ہوسکتا اور اُس زمانہ سے سو برس تک اُسی شد و مد کے ساتھ مشہور چلا آیا مگر کسی فاضل شاعر کی ہمّت نہ پڑی کہ اِس کے جواب میں قلم اُٹھاتا۔ سب سے پہلے امیر خسروؒ نے اپنے عہد میں اِس کے جواب میں قلم اُٹھایا اور تین برس کے عرصہ میں ۷۰۱ھ ۱۳ع میں اِس کے جواب میں اپنا پنج گنج ختم کرکے اُس کو سلطان علاؤ الدین خلجی کے نام سے موسوم کیا۔[۱] مطلع الانوار میں اِس کی نسبت فرماتے ہیں۔

[۱] امیر خسروؒ کے بعد بھی خمسہ مولانا نظامیؒ کے جواب میں بہت سے شعرا نے طبع آزمائیاں کی ہیں۔ جن میں زیادہ مشہور یہ ہیں۔ خواجو[۱] کرمانی۔ ملا ہاتفی[۲] عبد اللہ جامی (مولانا نور الدین جامیؒ کے بھانجہ تھے) صاحب[۳] دولتی۔ ملک الشعراء ابو الفیض فیضی۔ لیکن خمسہ نظامی کے جواب میں جو کامیابی امیر خسروؒ کے پنج گنج اور فیضی کی ایک مثنوی نل دمن کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے جواب کو نصیب نہیں ہوئی ۱۲

قبول نہیں کرتے تھے اور دونوں بادشاہوں میں اس معاملہ میں تعصب پیدا ہوگیا تھا۔

اس کے بعد فاضل مذکور نے اپنی رائے خمسہ امیر خسروؒ کی نسبت یہ لکھی ہے الققہ معانی خاص و نازکیہاے خسرو و سخنان پرشور عاشقانۂ او آتش در نہاد آدمی میزند و در توحید این دو بیت امیر خسرو است۔

قطرۂ آبے نہ خورد ماکیاں	تا نہ کند روئے سوئے آسماں

و در معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم می فرماید

براں آئینۂ دل واجب است آہ	کہ بر معراج او شک را دہد راہ

و در نازکیہاے خمسۂ او اگر فکر کنند نکتہا نیست کہ وصف نتواں کرد ازانجملہ است۔

خرے را کہ تیمار خربندہ کشت	سہ جو در شکم بہ کہ سی من بہ پشت

و ازیں نوع ظرایف فراواں است۔

مطلع الانوار

حضرت امیر خسروؒ کے علوم و حکمت کے پنج گنج کا پہلا گنج مطلع الانوار ہے۔ اس شناور دریاے حقیقت اور غواص بحر طریقت نے اس اخلاق و تصوف کے خزانہ میں شریعت و طریقت اور حقیقت کے نادر و نایاب نورانی گوہر اس خوش نمائی سے سجائے ہیں کہ اگر اس کو مطلع انوار الٰہی کہیں تو خوش نما ہے یا معجزۂ خسروی کہا جاوے تو بجا ہے۔ اس طلسم خانۂ حقیقت کو جو اس صاحب کمال کے کمالات کا

ہشت بہشت میں فرماتے ہیں۔

دادی اوّل بہ گنبدِ دوّار	روشنائی ز مطلع الانوار
کردی آنگاہ با نشاط تمام	شہدِ شیریں و خسرو اندر جام
باز در عالمِ خردمندی	شورِ لیلیٰ و مجنوں افگندی
پس دہاں پُر دُرِ دری کردی	شرح رازِ سکندری کردی
ویں زماں کز جواہر انجم	می نگاری صحیفۂ پنجم ہشت

دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ امیر خسروؒ کے خمسہ (پنج گنج) میں اُنتیس[۲۹] ہزار اور خمسۂ مولانا نظامیؒ میں اٹھائیس[۲۸] ہزار بیتیں ہیں۔ خمسۂ امیر خسروؒ میں اختصار ہے جو فصاحت و بلاغت میں مطلوب و مرغوب ہے۔ اور امیر زادۂ سلطان سعید بایسنغر[۹۱] اُسکو خمسۂ مولانا نظامیؒ پر ترجیح دیتے تھے لیکن خاقان[۹۲] الغ بیگ اس بات کو

۹۱ مرزا بایسنغر مرزا شاہرخ ابن امیر تیمور کا بیٹا تھا۔ یہ شاہزادہ نہایت شریف پرور اور قابل تھا۔ خود چھ زبانوں میں لکھ پڑھ سکتا تھا۔ فارسی اور ترکی زبان میں اشعار موزوں کرتا تھا۔ علماء کی قدر دانی میں شہرۂ آفاق تھا۔ اُس کی سرکار میں ہمیشہ چالیس نقل نویس پُرانی نادر و نایاب کتابوں کے نقل کرنے کے واسطے ملازم رہتے تھے۔ ۸۰۲ھ/۱۳۹۹ء میں پیدا ہوا اور ۳۵ برس کی عمر میں ۸۳۷ھ/۱۴۳۴ء بمقام ہرات فوت ہوا۔

۹۲ مرزا الغ بیگ۔ یہ شاہزادہ بھی مرزا شاہرخ ابن امیر تیمور کا بیٹا تھا۔ علم اور اہل علم کی قدردانی اور علم نجوم میں بہت مشہور تھا۔ چالیس برس تک اِس نے اپنے باپ کی زندگی میں سمرقند میں حکومت کی اور باپ کی وفات کے بعد ۸۵۱ھ/۱۴۴۷ء میں اُس کا جانشین ہوا۔ تخت نشین ہوکر بھی ہمیشہ کتب بینی میں مشغول رہتا تھا۔ رمضان ۸۵۳ھ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۴۴۹ء میں اِس کے ناخلف بیٹے مرزا عبد اللطیف نے اِس کو قید کرکے قتل کرڈالا۔

آب گہرہائے کہن را مجوئے	دُر چو کہن گشت بود زرد روئے
زندہ بہ مُردہ مشو اے ناتمام	زندہ تو کن مردۂ خود را بنام
زندہ کنِ مردہ مسیحا فراست	وانکہ دم از مردہ برآرد خراست
از پدرِ مردہ ملاف اے جواں	گر نہ سگی چوں خوشی از استخواں
فائدۂ علم ہمین است خاص	کت دہد از چاہ تکبّر خلاص
چوں زند از ہرزہ مذکّر نفیر	بو العجبی باشد ہنگامہ گیر
آنکہ نداند رقمے بہر نام	بہ زفقیہے کہ بود ناتمام
علم چناں خواں کہ زبس زندگی	خواب تو باشد شرف بندگی
چوں توئی از شاہد و مے حیلہ جوئے	علم مگو خواب پریشانش گوئے
چند توان ساغرِ پنہاں زدن	پس نفس از رخصتِ قرآں زدن
زشت بود زہر بہ لوزینہ در	بادہ و قرآں بہ یکے سینہ در
حافظِ قرآں چو خورد بادہ ہے	کفر بود شُستنِ قرآں بہ مے
خامہ مزن سوختنِ عامہ را	آلتِ تزویر مکن خامہ را
خطاب بسوے قاضیان و مفتیان	
عالمِ بے کار (بے عمل) نیاید برے	گرچہ بصد حیلہ برآرد سرے
ہرچہ بہ ہنگام (سخن بر موقع) نہ گوید کسے	خاموشی از گفت نکو تر بسے
قول سہ کس نیست بدہر استوار	شاعر و قرعہ زن (رمال) و اختر شمار (منجم)
مرد بود کم سخن و تازہ روئے	قہقہہ در خندۂ گلہا مجوئے
کس نکند از سخنِ نرم بیم	وز سخنِ سخت بہ ترسد سلیم
تیز مکن تیغ زباں در دہاں	تا نبرد حلق ترا در زماں

سچا فوٹو ہے اس جادو نگار نے صرف چودہ[۱۴] دن کی قلیل مدت میں اپنے سحر سامری سے سجا کر اپنے بے نظیر قادر الکلامی اور کمالات معنوی کا ثبوت دیا ہے۔ اس میں بیس مقالہ اور تین ہزار تین سو[۳۳۱۰] دس بیتیں ہیں۔ ۱۱۹۸ھ / ۱۲۹۸ء کی تصنیف ہے یہ چھپ گئی ہے اور عام طور سے دستیاب ہوتی ہے۔ اختتام پر آپ فرماتے ہیں۔

شکر خدا را کہ بفضل خدائے	گشت مزین چو بہشت ایں سرائے
بیست خزینہ است درو پُر ز گنج	بیست خزینہ ز صد و بست و پنج
ور ہمہ بیت آوری اندر شمار	سی صد و دہ بر شمر و سہ ہزار
از اثرِ اختر گردوں خرام	شد بدو ہفت ایں مہ کامل تمام
سال کہ از چرخ کہن گشت بود	از پسِ شش صد و نود و ہشت بود
چرخ کہ خورشید جنابش نوشت	مطلع انوار خطابش نوشت

ناظرین۔ اس گلستانِ حقیقت سے یہ خوش نما گلدستہ مرتب کرکے پیش کیا جاتا ہے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

آنکہ بہ زندانِ جہالت گم است	ہست گدا گرچہ زرش صد خم است
مرد کہ از علم توانگر بود	کے نظرش بر گہر و زر بود
عالم اگر چاشت ندارد ز شام	جاہل اگر خسروِ روم است و شام
گر نہ بانصاف شوی پردہ دوز	حیف بود در حقِ جاہل ہنوز
اہل نہ گردد بہ عمامہ سفیہ	خر نہ شود از جلِ دیبا فقیہ
از ہنرِ خویش کشا سینہ را	پایہ مکن نسبتِ دیرینہ را

کن بنمازت ہمہ ارکاں درست		تات شود خانۂ ایماں درست
ساختہ کن بارے زارکاں سرائے		بو کہ دہد شمع حضورت خدائے
اے شدہ بازیچۂ دستِ ہوائے		کردہ روائے برہِ ناروائے
جہد وبال ایں چہ پریشانی است		ترک خدا ایں چہ مسلمانی است
ہیچ کس از بندہ خود آزاد نیست		ہیچ دلے را زخدا یاد نیست
ہرکہ زپرہیز پذیرد نصیب		از پئے دارو نرود برطبیب
لوث چو پُرشد بہلاکت کشد		آب چو بگرفت بخاکت کشد
چیست شراب آب شرآمیختہ		نقل کبابے نمکش ریختہ
خوردنِ مے ہر بدیٔ راست سر		وانکہ بدش میخورد آں خود بتر
خلق و تواضع کہ زمستاں بود		شعبدۂ بادہ پرستاں بود
شرب و زنا تیرہ کند رائے را		شاہد و مے سُست کند پائے را
مرد نہ آں شد کہ زشہوت نرست		مرد کسے داں کہ زشہوت برست
تا دلت از ترس نہ لرزد چو بید		مغفرت امید مدار از اُمید
خوف و رجا ہردو بہ ایماں درند		نور و دخاں ہردو بہ قرآں درند (سورہ نور و سورہ دخاں)
علم گرت نیست ذخیرہ زبس		فاتحہ ات از سرِ اخلاص بس
ہست بسے صوفیٔ پشمینہ پوش		کش نرسد بانگ مؤذن بگوش
چوں زمیش ددر بہ سلطاں شود		تند بہ محراب خراماں شود
صوفیٔ مے خوارہ کہ گوید زحال		گرہمہ کشف است مداں جز خیال
دعوی فقر و عمل زر مدام		فقر کدام ست و تجارت کدام

ره نبرد سوے خموشاں کسے		زخم خورد مرد سخن گو بسے
هر چه لبت را به سخن ره در وست		جائزهٔ قد سمع الله در وست
چوں شنونده است خدا مو بموے		هر چه نیرزد بشنو و آن مگوے
گوش منه بر لبِ غیبت گراں		تا تو هم انباز نه باشی دراں
راه مده هیچ خسے را بگوش		ور دهی از پنبه دهانش بپوش
نے همه گفتار ز انساں خوش است		هر چه پسندیده بود آں خوش است
هر چه بد هر آدمی است و پری		نیست مگر بهر پرستش گری
جامهٔ اسلام بر اصحاب ریو (اہل مکر و نفاق)		پرّ فرشته است مگس رانِ دیو
ایں نه لباس است که تلبیس ماست		ویں نه خیال ست که ابلیس ماست
(جامهٔ اسلام) راکع و ساجد شده تن چوں هلال		پویه زناں مشرق و مغرب خیال
هوش بمیخانه و رو در خدا ے		واے بریں طاعت آلوده واے
نقش الٰهی ست بلوحِ جبین		بر درِ مخلوق منه بر زمین
واے که تا چند چو افسردگاں		سجده کنی بر درِ ایں مردگاں (اہل دنیا و ہوا و ہوس)
اے که گذاری به جنازه نماز		سجده نه دانی که ندارد جواز
زشت نمازے که ریاشانِ اوست		مزبلهٔ دیو در ارکانِ اوست
اے همه در جمعه و عیدت نماز		کے بود آبت ز درِ بے نیاز
نیست نماز آنکه کنی بے خشوع		دزدی ارکاں به سجود و رکوع
سجده نباشد که بروے زمیں		بر صفتِ مرغ شوی دانه چیں
تو بچنیں چیدنِ دانه ز خاک		چوں پری اندر صفِ مرغانِ پاک (کنایه از ملائکه)

رخے اندک بہ سبزی میل کردہ	بہارے از کفِ خضر آب خوردہ
بگندم گوں دلیلِ آدمی زاد	نخست ایں فتنہ آدم کرد بنیاد
عرق کز روے آں طسار میریخت	کرشمہ می چکند انار می ریخت
نمکدانی بہ تنگی چوں دلِ مور	نمک چنداں کہ در عالم فتد شور

ملا عبد القادر بدایونی فیضی کی مثنوی نل دمن کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ حق تو یہ ہے کہ ایسی مثنوی اس تین سو برس میں امیر خسروؒ کی مثنوی خسرو شیریں کے بعد ہندوستان میں شاید ہی کسی نے لکھی ہو۔

لیلیٰ مجنوں

۶۹۸ھ / ۱۲۹۸ء میں امیر خسروؒ نے کشورِ عشّاق کے شہنشاہ مجنوں اور معشوقانِ جہاں کی سرتاج لیلیٰ کے مشہور و معروف عشقیہ قصہ کو نہایت نزاکت و لطافت اور بلند پروازی سے نظم کرکے اپنے پنج گنج کا تیسرا گنج آراستہ کیا۔ اس میں دو ہزار چھ سو ساٹھ (۲۶۶۰) بیتیں ہیں۔ اور ہر بیان سے شیریں کلامی ٹپکتی ہے بخوف طوالت اس کے کسی بیان کی پوری نقل درج کرنے سے معذور رہکر مختلف مقامات کی چند بیتیں درج کی جاتی ہیں۔ یہ مثنوی چھپ گئی ہے اور عام طور سے دستیاب ہوتی ہے۔

مناجات باری تعالیٰ

اے عذر پذیر عذر خواہاں	عفوِ تو شفیع پر گناہاں
خسرو کہ کمین بندۂ تست	در ہرچہ فتد فگندۂ تست
آں را کہ تو افگنی بہر زیست	برداشتنش بہ بازوِ کیست

رند مقامر که بود پاک باز	به ز عبادت گر با حرص و آز
عاشق زر عاشق درگاه نیست (قمار باز)	زانکه دوئی در خور ایں راه نیست
نانے اگر ہست میسر ز جَو	از پئے لوزینۂ دوناں مدو
ضامنِ روزی تو روزی رساں	دیدۂ کورِ تو بسوئے جہاں
گر شمری دوست کسے را شمار	کو بود اندر غم و شادیت یار
دوست که در شادی و غم نیست دوست	زو چه شوی شاد که خود غم ہم اوست
یار چو در کار نباشد غم است	کار که بے یار بر آید کم است
یار غرض جوے فراواں بود	آنکه کشد بارِ تو یار آں بود
گر ز تو چشمِ پدرت دید خار	از پسرِ خویش ہماں چشم دار
ہر چه توانگر به توانا فگند	واں که گہر باز بدریا فگند

خسرو شیریں

پنج گنج کے دوسرے گنج خسرو شیریں کا اب نام ہی باقی رہ گیا ہے۔ یہ مثنوی عام طور سے دستیاب نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ کسی بڑے کتب خانہ میں اس کا کوئی قلمی نسخہ موجود ہو۔ میں نے بہت تلاش کیا مگر مجھے اس کا کوئی نسخہ نہیں ملا۔ تذکرہ آتشکدہ سے اسکی چند بیتیں نقل کیجاتی ہیں

سرِ نامه بنامِ آں خداوند	که دلہا را به دلہا داده پیوند
زہے نقاش صورت ہائے زیبا	که مشتِ خاک ازو شد روئے زیبا
کرشمه داد چشمِ نیکواں را	شکار شیر فرمود آہواں را
چناں بنگاشت گیسوئے گره گیر	که نتواں داشت دلہا را به زنجیر

اندر صفِ آں بتانِ شیریں ‏‏ چون زہرہ بثور و مہ بہ پرویں

وفات مجنوں

مجنوں زمیانِ انجمن جست ‏‏ وافتاد بدخمۂ لحد پست
بگرفت عروس را در آغوشش ‏‏ رو داشت بروے دوش بادوش
دو اختر سعد را بپاکی ‏‏ افتاد قراں بہ برج خاکی
خویشان صنم ز سرّ آں کار ‏‏ جستند بغیرت انداں غار
تا ساز کنند چشم خونریز ‏‏ برگشتہ زنند خنجر تیز
چوں دست بہ پنجہ در زدندش ‏‏ پیچاک غضب بسر زدندش
او از سر پنجہ بے خبر بود ‏‏ پنجش بہ شکنجۂ دگر بود
باہم شدہ بود پوست با پوست ‏‏ پرواز نمودہ دوست با دوست
کردند نخست آزمونش ‏‏ از جاں رمقے نداشت خونش
بازو کہ حمائل صنم گشت ‏‏ از ہم نکشاد بسکہ ضم گشت
افتاد بمغز شاں غبارے ‏‏ گویا ز جدا کنند یارے
پیرے دو سہ از بزرگ واراں ‏‏ گفتند بہ چشم سیل باراں
کایں کار نہ شہوت وہوا یست ‏‏ سرّے ز خزینۂ خدایست
ورنہ بہ ہوس کسے نجوید ‏‏ کز جانِ عزیز دست شوید
خوش وقت کسیکہ از دلِ پاک ‏‏ در راہِ وفا چنیں شود خاک
وصل ارچہ براہلِ دل وبال است ‏‏ وصلے کہ بود چنیں حلال است
نفسے کہ بناشدت ہوا رام ‏‏ رامش ز کجا شود دد و دام

هرچند تنِ گناه پرورد   در حضرتِ قرب نیست درخورد
با اینهمه گر پذیری این خاک   نقصاں چہ رسد بہ عالمِ پاک
از یادِ خودم کن آنچناں شاد   کز ہستیٔ خود نیایدم یاد

وصف لیلی

بود از صفِ آں بتاں چوں ماہ   ماہے کہ زد آفتاب را راہ
لیلی نامے کہ مہ غلامش   خالش نقطے ز نقشِ نامش
مشعل کشِ آفتاب و انجم   دیوانہ کنِ پری و مردم
تاراج گرِ متاعِ جانہا   بنیاد شگافِ خان و مانہا
سلطانِ شکر لبانِ آفاق   لشکر شکنِ شکیبِ عشاق
گردن زنِ عافیت فروشاں   تشویش دہ صلاح کوشاں
سر تا قدمش کرشمہ و ناز   ہم سرکشِ حسن و ہم سرانداز
نازی و ہزار فتنہ در دہر   چشمے و ہزار کشتہ در شہر
چشمش ز کرشمہ مست و مدہوش   آہو برۂ بخواب خرگوش
خنداں چو سمن بہ تازہ روئی   شیریں چو شکر بہ تلخ گوئی
از وسوسہ چشمِ دیو بستہ   تسبیحِ فرشتگاں گسستہ
نے بت کہ چراغِ بت پرستاں   طاؤسِ بہشت و کبکِ بستاں
معجونِ لبش بدر فشانی   پروردہ بہ آبِ زندگانی
ہمخوابۂ لالہ گیسوانش   ہمشیرۂ انگبیں دہانش
خورشید غلام زادۂ او   مہ داغِ جبیں نہادۂ او

ہر فسانہ صراحیۂ ز شراب	دور مستی و بلکہ دارو خواب
ہر یکے را بہشت نام کنم	حور و کوثر درو تمام کنم
ہفت باشد بہشت و کوثر ہفت	ہشتم آں کاندرو بود ہر ہفت
پس نوشتم بہ کلک مشک سرشت	نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت
تا کسے کاندرو گذر یابد	بے قیامت بہشت در یابد
خود براں دل کہ خازن ہنر است	ہر بہشتے قیامت دگر است
گر بود ناقداں خزانۂ راز	داند اندیشۂ مرا پرواز
ورز دانش نباشدش پیوند	ہم با فسانۂ شود خرسند

یہ مثنوی چھپ گئی ہے اور عام طور سے ملتی ہے۔اس میں تین ہزار تین سو پچاس بیتیں ہیں اور ۱۳۰۱ء کی تصنیف ہے اس کے افسانے اس قدر طول طویل ہیں کہ ایک کی بھی پوری نقل درج نہیں کی جاسکتی ہے۔مختلف مقامات کی چند بیتیں درج کیجاتی ہیں امیر خسروؒ نے ہر داستان کے اخیر پر ایک رنگ کی تعریف کی ہے

رنگ مشکیں کی نسبت فرماتے ہیں

رنگ مشکیں شعار عباسی ست	زیور آرائے چرخ شماسی ست
ظلمت شب کہ مشک فام بود	بہر آسائشے تمام بود
خون تر درمیان نافۂ خشک	تا نہ گردد سیہ نباشد مشک
خط و خالے کہ دل ستاں دارد	مشک رنگ ست زیب ازاں دارد

صفت رنگ زعفرانی

گر عاشقی این مقام دارد	تقوسے بجہاں چہ نام دارد
تا ہردو نہ در مغاک بودند	ز آلائشِ نفس پاک بودند
و امروز کہ شہر بند خاکند	پیداست کہ خود چہ گور پاکند

آئینۂ اسکندری یا سکندر نامہ

پنج گنج کے چوتھے گنج یعنی آئینۂ اسکندری یا سکندر نامہ کا اب پتہ نہیں چلتا باوجود تلاش بسیار کسی تاریخ یا تذکرہ سے اسکا نمونہ بھی نہیں ملا۔

ہشت بہشت

پنج گنج کا پانچواں اور آخری گنج ہشت بہشت ہے۔اس میں اخلاقی پند و نصیحت کے بیش بہا اور نادر و نایاب جواہرات کو بہرام گور شاہ ایران کے حسین معاشرت۔عیش عشرت۔عشق و محبت کے دلچسپ افسانوں کے پیرایہ میں نہایت سادہ اور سلیس زبان میں اس نزاکت و لطافت سے آراستہ کیا ہے کہ انسان دیکھ کر محو حیرت ہو جاتا ہی ظاہر بیں اُس کے ظاہری عجیب و غریب افسانوں کو پڑھ پڑھکر وجد کرتے ہیں اور علماے دقیقہ شناس ادراک معانی سے عقل و کیاست فہم و فراست کا سبق حاصل کرتے ہیں۔امیر خسروؒ خود فرماتے ہیں۔

کوشش کیں خط چناں نگارے جست	کہ فزوں آید از چہار نخست
کاولیں نکتہ گرچہ جست بود	آخریں بہتر از نخست بود
گویم افسانہائے طبع فزائے	از لبِ لعبتِ فسانہ سرائے

خندهٔ برق با شرار درفش	بیں که چوں خوش بود زابر بنفش
صفت رنگ صندلی	
رنگ صندل لطیف تر باشد	اثرش دفع درد سر باشد
زاب صندل بتاں که رخ شویند	زاں طراوت برنگ رو جویند
رنگ خوباں خوش ست صندل فام	خوش بود سرو صندلی اندام
چوں زلب ریخت سرو صندل سود	شربتِ صندلی گوارشش بود
صفت رنگ کافوری	
پاک رنگ ست رنگ کافوری	نامه ها را بیاض مغفوری
چوں شود مشک آدمی کافور	موے اورا خداے خواند نور
روز روشن که سربسر نور است	همه نورشش برنگ کافور ست
صفت دلارام معشوقهٔ بهرام	
خاصه تر زاں همه کنیزے بود	آفتابے به زیر چرخ کبود
اصلش از چین و رخ چو صورت چیں	گیسوش چوں سواد چیں مشکیں
بسکه کردے بهر دلے آرام	به دل آرامیش (دلارام) برآمده نام
قامتے در خوشی چو عمر دراز	هوس انگیز تر ز عشق مجاز
بر چو نارنج نو به شاخ درخت	سخت رسته ز صحبتِ دلِ سخت
روے گلرنگ داد گل را رنگ	دهنش تنگ با شکر هم تنگ
سر درآورده ابروانش بکار	چوں مقامر (قمارباز) به کعبتین قمار
هر طرف کابرو به خم کرده	آرزو بیش و هوش کم کرده

زعفرانی عجب تریں رنگست	گونهٔ عاشقانِ بے سنگست
زر که اکسیر کامرانی یافت	زینت از رنگ زعفرانی یافت
بنگر آں زر که زعفرانی نیست	در عیار آنچناں که دانی نیست
آفتابے که آسماں دارد	عزت از رنگ زعفراں دارد
در مزعفر فزائشِ طرب ست	خندهٔ زعفران ازاں سبب ست

صفت رنگ سبز

سبز ریحانی ست رنگے نغز	داده بیننده را طراوت نغز
سبزه در باغ رنگِ ریحاں یافت	دیده از سبزه روشنی زاں یافت
شاخ ریحاں طراز نسرین ست	باغ را زیور از ریاحین است
گلعذارے که خار خار دلست	خط ریحانیش بهار دلست

صفت رنگ گلنار

رنگ گلنار دل کشاے بود	چوں مۓ لال جاں فزاے بود
زیب باغست گون گلناری	چوں شفق بر سپهر زنگاری
هر که شد بجنت و دولتے یارش	رخ بسرخی بود چو گلنارش
هست گلنار همچو نار کلیم	گل نارست باغ ابراهیم

صفت رنگ بنفشه

هست رنگِ بنفشه نادر وش	دیده را نغز و سینه را دلکش
ترک زیبا که رو بود چو مهش	در حریر بنفشه کن نگهش
باغ کو نقش کم ز دیبا نیست	بے خیالِ بنفشه زیبا نیست

کے پاس آئی اُس وقت اُس کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ بادشاہ خضر خاں سے اُس کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ کملا دیبی نے بھی جو بادشاہ کے حرم میں تھی اسے منظور کرلیا تھا۔ کیونکہ وہ خضر خاں کو اس وجہ سے بہت چاہتی تھی کہ وہ اُس کے بھائی کے ہم شکل تھا۔ نو عمری کے ایام میں یہ دونوں نو عمر آپس میں ملتے جلتے اور پیار و اخلاص کے ساتھ کھیلتے کودتے رہے۔ خضر خاں کی ماں اِس شادی کا ہونا اس وجہ سے نہیں چاہتی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کی شادی اپنے بھائی الپ خاں کی لڑکی سے کرنا چاہتی تھی۔ جب اُس نے یہ دیکھا کہ خضر خاں کی محبت دیول دیبی سے عشق کے درجہ تک پہنچ گئی ہے تو اُس نے بادشاہ سے کہکر دونوں کو جدا کرادیا۔ اِس حالت جدائی میں بھی ان کے درمیان برابر پیغام و سلام جاری رہے۔ لیکن باوجود خضر خاں کی بے انتہا مخالفت اور رونے پیٹنے کے اُس کی شادی الپ خاں کی لڑکی سے جبراً کردیگئی اس کے بعد جب عشق سے روز بروز اُس کا حال خراب ہونا شروع ہوا تو بادشاہ نے اُس کا نکاح دیول دیبی سے بھی کرادیا۔ اِس کے بعد بادشاہ خضر خاں سے ناراض ہوگیا اور اُس نے اُس کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ خاوند کی سب مصیبتوں میں دیول دیبی اُس کے ساتھ رہی اور جب ۷۱۸ھ ۱۳۱۸ء میں خضر خاں قطب الدین مبارک شاہ کے حکم سے گوالیار میں قتل ہوا تو دیول دیبی کے دونوں ہاتھ اپنے

چوں بدنبال چشم کردہ نگاہ — بردہ صد رہ روندہ را از راہ
طرّہ را سر زدہ بہ خونخواری — چشمہاے دژم ز بیماری
نرگسش دور باش وغمزہ خدنگ — لعل در آشتی و[اندوہگیں] عشوہ بجنگ
نیم دزدیدہ خندہ زیر لبش — کردہ تعلیم دزدی عجبش
سخنِ تلخ در لبش چو نبات — مرگ را داد چاشنی زحیات
لعل او کردہ بر شکر میری — شہد را داد چاشنی گیری
خالِ او کو ہزار پردہ درید — عالمے را بہ کنجدے بخرید
گیسوِ پیچ پیچ از سرِ ناز — دادہ بر دست فتنہ رشتہ دراز
تنے از نازکی دروںہ فریب — پائے تا سر ہمہ لطافت و زیب
رگ نمودہ بروں ز لطف بدن — ہمچو رشتہ دروں درّ عدن
خونش در پوست در تنک سلبی [لباس] — ہمچو مَے در زجاجۂ حلبی
در تماشاش روز و شب بہرام — ہمچو جمشید در نظارۂ جام

خضر نامہ یا مثنوی خضر خاں و دول رانی

خضر خاں سلطان علاؤ الدین خلجی کا بڑا بیٹا اور دیول دیبی یا دول رانی اُس کی معشوقہ راجہ گجرات کی بیٹی تھی۔ خضر خاں امیر خسروؒ کا پیر بھائی بھی تھا۔ اُس نے ان سے اپنے عشق کے قصّہ کو نظم کرنے کی فرمائش کی تھی۔ اسی فرمائش پر آپ نے اِس عشقیہ مثنوی میں دونوں کے عشق و محبت کا حال لکھا ہے جس کا لُبّ لباب یہ ہے کہ جس وقت دیول دیبی گجرات سے اپنی ماں کملا دیبی

امیر خسروؒ مثنوی میں تحریر فرماتے ہیں۔

مع القصه نهانی دان این راز	ز گنج راز زین سان در کند باز
که چون سلطان مبارک شاه بے مهر	ز تلخی گشت بر خویشان ترش چهر
صلاح ملک در خونریز شان دید	سزاواری به تیغ تیز شان دید
بران شد تا کند از کین سگالی	ز انبازان ملک اقلیم خالی
نهان سوئے خضر خان کس فرستاد	نموداری بعذر از دل برون داد
که اے شمعے ز مجلس دور مانده	تنت بیتاب و رخ بے نور مانده
تو میدانی که از من نیست این کار	ستمکش ماند و یک سو شد ستمگار
دول رانی که در پیشت کنیزیست	کنیز از مه بود هم سهل چیزیست
شنیدم کانچنان گشت ارجمندت	که شد پابوس او سرو بلندت
نه بس زیبا بود کز چشم کوتاه	پرستار پرستاری شود شاه
تمنائے دل ما می کند خواست	که زان زانو نشین بربایدت خاست
چو زینجا رفت باز اینجا فرستش	بپایئں گاه تخت ما فرستش
چو سودائے دلت کم گشت چیزے	دهیمت باز تا باشد کنیزے
چو شه پیغام گوسے برد پیغام	خضر خاں را نماند اندر دل آرام
نخست از دیده لب را جوش خون داد	پس آلوده بخون پاسخ برون داد
که شه را ملک رانی چون وفا کرد	دول رانی بمن باید رها کرد
ور این دولت هم از من دور خواهی	مرا بے دولت و بے نور خواهی
چو با من همسرست این یار جانی	سر من دور کن زان پس تو دانی

عاشق زار کے گلے میں پڑے ہوئے زخمی ہوئے اور وہیں قتل ہو کر خاوند کے ساتھ دفن ہوئی۔

ان دونوں کی عاشقی کا ایسا شہرہ ہوا کہ ہندی۔ فارسی شاعروں کا ایک شاعرانہ افسانہ بن گیا۔ بہت سے قصے اس کے ہندی۔ فارسی زبانوں میں موجود ہیں اور صدہا برس تک لوگوں نے اس کے گیت بنا کر گائے۔ بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ دیول دیبی اپنے عاشق کے قتل کے بعد زندہ رہی اور اُس کی دو شادیاں اَور ہوئیں۔ ایک خاوند کے قاتل قطب الدین مبارک شاہ کے ساتھ اور دوسری غاصب سلطنت خسرو خاں کے ساتھ۔ لیکن چونکہ اِس روایت کی تصدیق اِس مثنوی اور اُس عہد کی مستند تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی سے نہیں ہوتی لہذا پہلا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہ مثنوی چھپی نہیں نہ عام طور سے دستیاب ہوتی ہے۔ راقم الحروف نے جے پور کے کتب خانہ میں اِس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ ۷۱۵ھ ۱۳۱۵ء کی تصنیف ہے۔ اُس کی اِن بیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چار ماہ اور چند دنوں میں لکھی گئی ہے۔

بحمد اللہ کہ از عونِ الٰہی	بہ پایاں آمد ایں منشور شاہی
بقدر چار ماہ و چند روزے	فروزا شد چنیں روشن فرازے

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ خضر خاں کے قتل کا واقعہ بعد میں الحاق کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ ۷۱۸ھ ۱۳۱۸ء کا واقعہ ہے۔ اِس کی نسبت حضرت

دیکھ کر بہت پسند کیا لیکن اِس کا جو نسخہ شاہی کتب خانہ میں تھا اُس کا ایک مبحث مفقود تھا۔جب تلاش کرنے پر کوئی دوسرا نسخہ دستیاب نہ ہوا تو جہانگیر نے شعرائے دربار کو حکم دیا کہ اُسی طرز پر طبع آزمائی کرکے مبحثِ مفقود کو پورا کریں۔سب نے طبع آزمائیاں کیں۔لیکن بادشاہ کو حیاتی کاشی کی نظم پسند آئی اور اُسکو داخل تغلق نامہ کیا اور اِس کے صلہ میں قدردان بادشاہ نے حیاتی کاشی کو زر سرخ و سفید سے ترازو میں تُلواکر اُس کے ہموزن چھ تھیلیاں جن میں چھ ہزار اشرفیاں اور روپئے تھے مرحمت فرمائیں۔سعیدائی گیلانی نے اس کی یہ تاریخ لکھی ہے۔

چوں حیاتی را بہ زر سنجید شاہنشاہ عصر	بادشاہ عدل گستر شاہِ گردوں اقتدار
شاہ نورالدیں جہانگیر ابن اکبر بادشاہ	آفتابِ ہفت کشور سایۂ پروردگار
بہرِ تاریخش بروے کفۂ میزان چرخ	شاعِ سنجیدۂ شاہی رقم زد روزگار

خزاین الفتوح یا تاریخ علائی

اس تاریخ میں حضرت امیر خسروؒ نے سلطان علاؤ الدین خلجی کے اوائل سلطنت اور فتوحات کے حالات نہایت فصاحت و بلاغت سے تحریر کئے ہیں۔صاحبِ منتخب التواریخ ملک مانک اور مغلوں کی لڑائی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ اِس لڑائی کے قصہ کو امیر خسروؒ نے خزائن الفتوح میں ایسی فصاحت و بلاغت سے لکھا ہے کہ آدمی کا کام نہیں معلوم ہوتا اور اگر غور کیا جاوے تو اُن کا تمام

اِس کے بعد خضر خاں کی شہادت کا حال لکھ کر فرماتے ہیں۔

دول رانی کہ با فرخندگی بود	خضر خاں را زلالِ زندگی بود
چو خضرِ چرخ با او در کمیں گشت	ہمہ آبِ حیاتش تیغ کیں گشت
چو دیدم اندریں شیشہ بہ تمیز	لبے ہست آبِ حیواں خضر کُش نیز
بر آمد جانِ عاشق خوں فشاناں	ولے می گشت گرد اگرد جاناں
گلے کز وے چکیدے قطرہ خونے	فشاندے خون صدر دسے برونے
بجائے آب ازاں گل خوں کشیدند	نگہ کُن تا گلابش چوں کشیدند

مثنوی نہ سپہر

یہ مثنوی حضرت امیر خسروؒ نے سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے نام پر لکھی تھی۔ آج کل نایاب ہے۔ اِسکی نسبت آپ فرماتے ہیں

جرائد کزیں پیش پرداختم	چوں ایں نامہ خاص کم ساختم

اس مثنوی کی چند بیتیں اور اس کے بیش بہا صلہ کا حال باب سوم میں تحریر کیا گیا ہے۔ مسٹر ایلیٹ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اِس کے تاریخی واقعات میں قطب الدین مبارک شاہ کی سلطنت کے حالات درج ہیں۔

مثنوی تغلق نامہ

یہ حضرت امیر خسروؒ کی سب سے آخری تصنیف تھی جو سلطان غیاث الدین تغلق کے نام پر لکھی گئی تھی۔ یہ مثنوی اکبر اور جہانگیر ہی کے عہد میں نایاب تھی۔ سنہ ۱۰۱۹ھ / ۱۶۱۰ء میں جہانگیر نے اِس کو

جن میں عام مضامین کو بھی نازک خیالی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے
اِس تاریخ کے ہر ایک حصّہ میں وہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں
جن کا تعلق کسی خاص مضمون سے ہے۔ ایسی جگہ بعض بعض
تشبیہیں نہایت عاقلانہ اور دلچسپ استعمال کی گئی ہیں۔ یہ بات
ظاہر ہے کہ اِس قسم کی تصنیفات میں اکثر مبالغہ زیادہ ہوتا ہے۔
اور ذرا ذرا سی بات کو بہت بڑھا بڑھا کر بیان کیا جاتا ہے تاہم
اُس سے ہم کو اکثر ایسے سچّے واقعات معلوم ہوتے ہیں جن کی
وجہ سے ہم اِن باتوں کو نظر انداز کر سکتے ہیں اور ایک طرح سے یہ
معمّے اور تشبیہیں ہم کو واقعات کے معلوم کرنے میں بہت مدد
دیتی ہیں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اعداد کے ذریعہ سے کسی واقعہ
کی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا اور معمّہ وغیرہ سے فوراً معلوم ہوجاتا ہے
کہ یہ واقعہ کب ہوا تھا۔ اِس کتاب میں اکثر ہندی الفاظ مثلاً
کاٹھ گڑھ۔ پردھان۔ مارا مار وغیرہ بھی استعمال کئے گئے ہیں۔
جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کے اہل اسلام کے خلاف
امیر خسروؒ کو ہندی زبان میں بھی کافی مہارت تھی۔ اِس تاریخ میں
باقاعدہ تاریخ وار واقعات درج نہیں ہیں بلکہ خاص زمانہ میں ملک
کے کسی حصّہ میں جو واقعات ہوئے اُن کو بلا امتیاز درج کردیا گیا
ہے لیکن امیر خسروؒ نے جو کچھ لکھا ہے مستند مانا جاتا ہے کیونکہ اوّل
تو یہ کل واقعات اُن کے زمانہ کے ہیں دوسرے اُن میں سے

کلام ایسا ہی فصیح ہے۔

مسٹر ایلیٹ صاحب اپنی تاریخ میں اس تاریخ کی نسبت حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں۔

یہ تاریخ جو ان دونوں ناموں سے مشہور ہے حضرت امیر خسروؒ کی تالیف سے ہے۔ اس میں سلطان علاؤ الدین خلجی کے جس کو مؤلف نے اکثر محمد شاہ کے نام سے بھی موسوم کیا ہے اوائل سلطنت یعنی ۶۹۵ھ ۱۲۹۶ء سے ۷۱۰ھ ۱۳۱۰ء تک کے حالات نہایت دلچسپ پیرایہ میں درج ہیں۔ گمان غالب ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا عام مؤرخوں نے تاریخ علاؤ الدین خلجی کے نام سے اپنی تاریخوں میں حوالہ دیا ہے اگر واقعی یہ خیال صحیح ہے تو اس کا غور سے مطالعہ نہیں کیا گیا کیونکہ بہت سے دلچسپ واقعات مؤرخوں سے نظر انداز ہوگئے ہیں یہ مختصر کتاب اُن مضامین کے متعلق جن کا اس میں بیان ہے بہت زیادہ معلومات سے بھری ہوئی ہے خاصکر اُس زمانہ کی لڑائی کے قواعد اس خوبی سے اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں کہ کسی دوسری کتاب میں اس سے زیادہ عمدگی سے نہیں پائے جاتے اس کا طرز بیان نہایت دقیق ہے کیونکہ اُس میں اکثر جگہ نہایت نازک خیالی سے ایسے استعارات استعمال کئے گئے ہیں جیسے کہ بقیہ نقیہ اور اعجاز خسروی کے دیباچہ میں ہیں یا جیسے کہ قصائد بدر چاچ اور کلیات مرزا قتیل اور ایسی ہی دوسری تصانیف میں پائے جاتے ہیں کہ

وبنہایت ذوق قریب الفہم نگاشتہ وبالفاظ مُغلق نپرداختہ وبرائے یاران یادگارے گذاشتہ فرد

گر بدے گوہرے ورائے سخن	آں فرود آمدے بجائے سخن

امید کہ منظور نظر کیمیا اثر صاحب نظراں گردد مصرع ہر مس کہ بکیمیا رسد زر گردد۔
اس کتاب کے قلمی نسخے کو بھی راقم الحروف نے جے پور کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔ بطور نمونہ ایک مختصر رقعہ کی نقل درج کیجاتی ہے۔

عرضداشت بہ پیر دستگیر

عرضداشت کمترین مریدان جان نثار زمین خدمت بلب ادب بوسیدہ ساعت بساعت در لوازم بندگی کوشیدہ بعد از تقدیم شرائط عقیدت ومراسم ارادت ذرہ وار از روے عجز وانکسار بموقف عرض قبلہ حاجات وکعبۂ مرادات میرساند کہ از ورود مکرمت نامہ فیض آمود سرافتخار ومباہات بگردون دوّار رسید از والا مطالعہ آں بعنایت ابدی وسعادت سرمدی موصول گردید۔ مرشد کامل سلامت ایں ذرہ بمقدار پیوستہ از عنایات آں آفتاب عالمتاب کہ از ذرہ تا خورشید شامل است امیدوار می باشد وبجز درگاہ آسمان جاہ پیر دستگیر پناہے نہ دارد۔ ع چہ غم دیوار امت راکہ باشد چون تو پشتیبان۔ شعاع آفتاب جہاں تاب فیض بر مفارق جمیع مریداں وطالباں تابندہ باد۔

رسائل الاعجاز یا اعجاز خسروی

اس خوش سخن اور شمع افروز انجمن کی تصنیف سے اعجاز خسروی ایسی کتاب ہے کہ جس کا ہر لفظ معدن فصاحت اور ہر فقرہ مخزن بلاغت ہے۔ اُس کی عبارت آرائی۔ بہار افشانی۔ گلریزی۔ مترادف فقروں کے

اکثر میں وہ بذات خود شریک تھے ضیاء الدین برنی مورخ اپنی تاریخ کے بیانات کی تصدیق اکثر ایسی کتاب سے کراتا ہے۔

یہ تاریخ بھی اب کمیاب ہے اور چھپی نہیں اس کا ایک قلمی نسخہ جے پور کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کے مطالعہ کا شرف راقم الحروف کو حاصل ہوا ہے۔ اس نسخہ کے عنوان پر یہ بیت تحریر ہے۔ ؎

این نامہ کہ نقد فتح دارد در جیب		شد نام خزائن الفتوحش ازغیب

ایک لڑائی کا حال اس بیت سے شروع کیا گیا ہے۔ ؎

این فتح خزائن الفتوح است		ہر گوہر از و چراغ روح است

اور خاتمہ پر یہ عبارت درج ہے۔

ختم سخن بر این کلمہ می کنم کہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ ودعاے ختم این است کہ توفیتنی مسلما و الحقنی بالصالحین اللہم صل علی محمد عبدک و رسولک النبی الامی وعلی الہ واصحابہ اجمعین

انشائے خسرو یا خیالاتِ خسرو

یہ سلیس فارسی میں رقعات اور مراسلات کا مجموعہ ہے۔ اس کے اکثر رقعات اخلاقی پند ونصائح سے پُر ہیں۔ خاتمہ پر یہ عبارت تحریر ہے۔

خاتمہ دفتر اوّل۔ قلم برداشتن و عبارت آراستن و فقرہائے رنگین و دلنشین پیراستن و نسخہ مربع مربوط نگاشتن کار منشیان است این ہیچدان گو استعداد آں ندارد ——— مراسلۂ چند کہ ہمچناں ارجمند و بدوستانِ دردمند از غایت شوق

آج تک نہ ہوسکا نہ امید ہے کہ آئندہ ہو۔

یہ کتاب پانچ رسالوں پر مشتمل ہے جو سلطان علاؤ الدین خلجی کے نام پر لکھی گئی تھی۔ لیکن قطب الدین مبارک شاہ کے عہد میں ۷۱۹ھ ۱۳۱۹ء میں تکمیل کو پہنچی۔ اس میں قریب بارہ سو صفحہ بڑی تقطیع کے ہیں اور مطبع منشی نولکشور لکھنؤ میں طبع ہوکر عام طور سے ملتی ہے۔ امیر خسروؒ اس کی نسبت فرماتے ہیں رباعی

زہے منظر کہ چوں بام بہشت است	کہ از خسرو دمے خالی مبادا
قضا در ہفت سقفش دید و برخواند	بنینا فوقکم سبعاً شدادا

اس ضخیم کتاب سے اگر چیدہ چیدہ مضامین بھی نقل کئے جائیں تو اُس کے واسطے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔

افضل الفوائد و راحت المحبین

ان دونوں کتابوں میں امیر خسروؒ نے ملفوظات اپنے پیر حضرت سلطان المشایخؒ کے بقید تاریخ و ترتیب مجلس جمع فرمائے ہیں۔ راحت المحبین کی مجلس اوّل میں لکھتے ہیں۔

مجلس اوّل روز دوشنبہ بستم ماہ رجب المرجب ۶۸۹ھ۔ گفتگو دربارۂ آفرینش مہتر آدم علیہ السلام واقعہ ہوئی بندۂ گنہگار امیدوار رحمت پروردگار خسرو لاچیں کو کہ یکے از بندگان و حلقہ بگوشاں حضرت سلطان المشایخؒ ہے یاوری بخت سے دولت قدمبوسی حاصل ہوئی عزیزان اہل صفہ حاضر خدمت تھے۔ بندہ واسطے عرض کرنے کے دست بستہ کھڑا ہوا تھا

جوڑ توڑ اور مقفی فقروں کی سجاوٹ اور دیگر صنائع بدائع انشا پردازی
کے اظہار کمالات سے بڑے بڑے منشی- فاضل اور ادیب حیران
ہیں- اِس صاحب کمال باغبان نے فن انشا پردازی کے گلستان
میں طرح طرح کے اختراع و ایجاد اور لطائف وظرائف کے قلم لگاکر اُنکو
عربی علم ادب کے پانی اور ہندی الفاظ سے ایسا سرسبز وشاداب
کیا ہے کہ قیامت تک اپنی بہار دکھاتے رہیں گے- بعض مضامین بلاغت
کے ایسے اعلیٰ درجہ رفعت پر قائم ہوئے ہیں کہ بڑے بڑے فضلا اور
انشا پردازوں کے ذہن رسا وہاں تک نہیں پہنچ سکتے- عربی کے
جو اشعار و فقرات فارسی کے ساتھ آگئے ہیں وہ اُس کی قادر الکلامی
کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں- اور زبان کی حیثیت سے کسی طرح فصحائے
عرب کے کلام سے کم نہیں ہیں- اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کتاب ہندوستان
کے کمال فارسی کی ایک ایسی زندہ یادگار دنیا میں موجود ہے کہ جس کے
مقابلہ میں آج تک ہندوستانی تو کیا ایرانیوں کا بھی قلم نہیں اُٹھا اور
جس طرح شیخ سعدیؒ کی گلستاں- مولانا روم کی مثنوی- امام غزالیؒ
کی احیاء العلوم- فردوسی کے شاہنامہ- نظامی کے سکندر نامہ اور فیضی
کی تفسیر سواطع الالہام- اور ایام جہالت کے امراء القیس وغیرہ فصحائے
عرب کے سبعہ معلقہ[1] کا جواب نہ ہوسکا اسی طرح اِس کتاب کا بھی جواب

[1] سبعہ عربی میں سات کو کہتے ہیں اور معلق کے معنی لٹکے ہوے کے ہیں- قبل اسلام
ایام جہالت میں فصحائے عرب کا قاعدہ تھا کہ قصیدہ کہکر خانہ کعبہ پر اِس غرض سے لٹکا دیتے
تھے کہ دیکھیں کون اسکا جواب کہتا ہے- منجملہ اُن قصیدوں کے یہ سات قصیدے ایسے
فصیح وبلیغ واقع ہوئے کہ کوئی اُنکا جواب نہ دے سکا- یہ آج تک عربی علم ادب کی منتہی کتابوں کے ساتھ درس

جب برج بھاشا نے اپنے وسعت اخلاق سے عربی - فارسی الفاظ کے مہمانوں کو جگہ دی تو ایک نئی زبان پیدا ہونی شروع ہوئی لیکن وہ مدت تک دوہروں کے رنگ میں ظہور کرتی رہی یعنی فارسی کی بحریں اور فارسی خیالات اُس میں نہ آتے تھے - سب سے اوّل اسی خالق باری میں فارسی بحروں نے اپنی جھلک دکھائی ہے - فارسی اُردو پڑھے ہوئے لوگوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جسے خالق باری اور کریما کے دو چار دس پانچ شعر یاد نہ ہوں اس وجہ سے اس کے نمونہ دکھانے کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی - سبحان اللہ کیا زبانیں تھیں کہ جو اُن سے نکل گیا ایک عالم کو بھایا اور زمانہ کے دل پر نقش کالحجر ہوگیا خالق باری جس طرح کہ چھ سات سو برس پہلے بچوں کا وظیفہ تھی اُسی طرح آج بھی جہاں جہاں پُرانی تعلیم کا چرچا باقی ہے عام طور سے بچوں کے ورد زباں ہے -

مقالہ - جواہر البحر

یہ دونوں کتابیں میری قاصر نگاہ سے نہیں گذریں - نہ کسی فارسی کی تاریخ یا تذکرہ میں ان کا کچھ حال نظر سے گذرا - مسٹر ٹامس ولیم بیل صاحب اپنی کتاب اورئنٹیل بایو گریفکل ڈکشنری میں امیر خسروؒ کی تصنیفات کے ذیل میں ان کتابوں کے نام بھی تحریر فرماتے ہیں اور مقالہ کی نسبت حسب ذیل لکھتے ہیں -

مقالہ - اِس میں خلفاے راشدین کے حالات درج ہیں اور مذہب

آپ نے مجھے کھڑا ہوا دیکھ کر از راہ مکرمت فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور جو کچھ کہنا ہو وہ عرض کرو میں نے دوبارہ قدمبوسی کی آپ نے از راہ نوازش مجھے اُٹھایا اور بار دیگر ارشاد فرمایا کہ تم کو اجازت ہے جو عرض کرنا ہو عرض کرو۔ میں نے التماس کیا کہ اِس نحیف نے قبل ازیں جس قدر انفاس نفیسہ زبان مبارک سے سنے تھے اُن کو قلمبند کیا ہے کہ ایک کتاب مرتب ہوگئی ہے۔ بندہ نے اُس کا نام افضل الفوائد رکھا ہے کتاب مذکور شرف ملاحظہ سے مشرف ہوچکی ہے۔ اب میں طالب اجازت ہوں کہ جو ترغیب زبان مبارک حضرت مخدوم سے سنوں اُسے سلک تحریر میں لاؤں مگر میرا یہ مدعا ہے کہ حضور آیندہ ذکر حضرات انبیاء عظام علیہم السلام فرمایا کریں۔ کمال ذرہ نوازی ہوگی بندہ کی عرضداشت ختم ہوتے ہی آپ نے مسکراکر ارشاد فرمایا کہ بہت خوب میں نے تمہارے آنے سے پیشتر ہی یہ حکایت آغاز کی ہے۔ الخ

راحت المحبین کا اُردو میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے اور افضل الفوائد بھی چھپ گئی ہے۔

خالق باری

عربی۔ فارسی۔ ہندی کے لغات میں مختلف بحروں میں ہے یہ پہلے کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی آج کل جو عام طور سے رائج ہے یہ اصل کتاب کا بہت مختصر سا انتخاب ہے۔ مشہور ہے کہ امیر خسروؒ نے اِسکو کسی بھٹیاری کی فرمائش پر اُس کے لڑکے کے واسطے لکھ دی تھی۔

عنوان آرائی قرآن مجید ہے۔ اسی اصول پر مرزا صائب کہتے ہیں

سخن بلند چو افتد بوحی مقرون است	اتا قہ سر مصحف کلام موزون است

اس بیت کے مصرع اوّل میں چونکہ لفظ سخن آیا تھا جو عام طور سے نظم و نثر دونوں کے واسطے مستعمل ہے اس وجہ سے میر آزاد بلگرامی نے اس بیت کی اس طرح اصلاح فرمائی ہے ؏

خوش ست نثر ولے شان نظم افزون ست	اتا قہ سر مصحف کلام موزون ست

اس امر میں اختلاف ہے کہ دنیا میں شعر گوئی کا موجد کون ہے۔ ابن اثیر اور بہت سے دیگر مورخ اس ایجاد کو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے ہابیل کے مرثیہ میں یہ شعر موزوں کئے ہیں نظم

تغیرت البلاد و من علیہا	و وجہ الارض معتر قبیح
تغیر کل ذی طعم و لون	وقل بشاشہ الوجہ بصیح
قتل قابیل ھابیلاً اخاہ	فوا اسفی علی الوجہ الملیح

اسی اصول پر مرزا صائب لکھتے ہیں ؏

مولانا نظامی —— ہست کلید در گنج حکیم — بسم اللہ الرحمن الرحیم
امیر خسرو —— خطبۂ قدس ست بملک قدیم — ایضاً
عرفی —— موج نخست است زبحر کریم — ایضاً
طاہر وحید —— ہست نہالے زریاض قدیم — ایضاً
میر آزاد بلگرامی —— تیغ سیہ تاب رسول کریم — ایضاً
ناطق —— جملہ جہاں حادث و ذاتش قدیم — ایضاً

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۸)

صوفیہ کی نسبت بھی ایک رسالہ شامل ہے۔ سنہ ۱۳۲۴ع کی تصنیف ہے۔

دیوان تحفۃ الصغر[1]۔ وسط الحیات[2]۔ غرۃ الکمال[3]۔ بقیہ نقیہ[4]

نظم کی مختصر تاریخ امیر خسروؒ کے عہد تک

جملہ اربابِ فضل و کمال اِس امر میں متفق ہیں کہ نظم نثر پر فوقیت رکھتی ہے نظم موزوں ہے۔ نثر ناموزوں۔ اور موزوں اور ناموزوں میں جو فرق ہے وہ عقلمندوں پر ظاہر ہے۔ اصحابِ فضل و کمال نے آیاتِ کلام مجید میں بے ساختہ کلمات موزوں پاکر صدور کلام موزوں کو متکلم قدیم تعالیٰ شانہ سے منسوب کیا ہے اور تعریف شعر کو عرش معلیٰ پر پہنچاکر شعراء کو تلامیذ الرحمٰن کا خطاب دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جملہ علوم و کمال اکتسابی ہیں اور بلا اُستاد اور تعلیم و تحصیل کے حاصل نہیں ہوتے مگر طبع موزوں محض وہبی ہے کہ محتاج تعلیم و اکتساب کی نہیں ہے اکثر حروف آشنا بلکہ جاہلِ محض کہ جو عروض و قافیہ اوزان و تقطیع افاعیل و بحور شعر سے محض بے بہرہ ہوتے ہیں ایسے مضامین عالی موزوں کرتے ہیں کہ جنہیں سن سن کر تعجب ہوتا ہے۔ مثنوی میں حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

من ندانم فاعلاتن فاعلات
شعر میگویم بہ از آبِ حیات

سرخوش صاحبِ کلمات الشعرا کیا خوش فرماتے ہیں کہ گواہ صدق اِس دعویٰ کا مصرع برجستہ بسم اللہ[ف1] الرحمٰن الرحیم ہے کہ دیباچہ طراز اور

ف1 بسم اللہ پر بہت سے شاعروں نے مصرعے لگائے ہیں۔ جنہیں سے چند یہ ہیں (دیکھو صفحہ ۱۲۹)

زبانوں میں کامل تھا۔ سنہ ۱۹۳ھ مطابق ۸۰۸ء میں جبکہ خلیفہ ماموں رشید عباسی بطور دورہ مرو میں وارد ہوا خواجہ عباس نے اُس کی مدح میں فارسی میں قصیدہ کہکر دربار میں سنایا اور اُس کے صلہ میں ہزار دینار علاوہ نقرہ وظیفہ کے پائے۔ اِس قصیدے کے چند شعر یہ ہیں :-

اے رسانیدہ بدولت فرق خود تا فرقدین	گسترانیدہ بجود و فضل در عالم بدین
مر خلافت را تو شائستہ چو مردم دیدہ را	دین یزداں را تو بائستہ چو رخ را ہر دو عین
کس بریں منوال پیش از من چنیں شعرے نگفت	مر زبان پارسی را ہست مرایں نوع بین
لیک زاں گفتم من ایں مدحت ترا تا ایں طریق	گیرد از مدح ثنائے حضرت تو زیب و زین

سنہ ۳۰۰ھ مطابق ۹۱۲ء تک فارسی شعر گوئی کا یہ ہی حال رہا کہ کبھی کبھی کسی نے کوئی شعر یا قصیدہ موزوں کرلیا تو کرلیا مگر کوئی اِس کی ترتیب و تدوین کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ سلاطین سامانیہ کے عہد میں سب سے پہلے حکیم محمد ابو الحسن رودکی نے فارسی شاعری کو کمال کے زینہ پر پہنچایا۔ قصیدہ اور غزل کی طرح ایجاد کی۔ کہتے ہیں کہ وہ مادر زاد اندھا تھا مگر ذہن اُس کا ایسا عالی تھا کہ باوصف نابینائی سات برس کی عمر میں حافظ قرآن اور بیس برس کی عمر میں حکیم اور شاعر اور لطیفہ گو ہوگیا۔ علاوہ اِس فضل و کمال کے نہایت خوش آواز اور علم موسیقی میں بھی کامل اُستاد تھا۔ ابتدائے حال میں مطربی کرتا تھا رفتہ رفتہ نصر ابن احمد سامانی کی ملازمت میں جا پہنچا اور فضل و کمال کے وسیلہ سے ایسے مدارج اور مراتب اعلیٰ پر پہنچا کہ مشہور ہے کہ شعرا میں جو

آنکہ اوّل شعر گفت آدم صفی اللہ بود		طبع موزوں حجت فرزندی آدم بود

حضرت امیر خسروؒ ارشاد فرماتے ہیں

ماہمہ در اصل شاعر زدہ ایم		دل باین محنت نہ ازخود دادہ ایم

لیکن وہ مورخ جو شعر گوئی کو کفر سمجھتے ہیں اس امر سے منکر ہیں اُن کا بیان ہے کہ پیغمبر معصوم اور شعر گوئی سے مبرّا ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ مرثیہ نثر میں کہا تھا جب یہ نثر سُریانی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ ہوئی تو خود بخود موزوں ہوگئی۔ قاسم بن سلام بغدادی موجد شعر عربی کا یعرب بن قحطان کو جو حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے بتلاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اشعر بن سبا یمنی شعر گوئی کا موجد ہے اور موجد کے نام ہی کی نسبت سے سخن موزوں کو شعر کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فارسی شعر گوئی کی ایجاد کا فخر بہرام گور کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ایک روز وہ گورخر کے شکار میں مصروف تھا کہ بے ساختہ اُس کی زبان سے یہ شعر نکل گیا۔

منم آں پیل دمان و منم آں شیر یلہ		نام بہرام مرا کنیتم بوجبلہ

بہرام گور کے اس شعر کے بعد کس نے شعر کہا اس میں اختلاف ہے بعض شخص یعقوب بن لیث کو جن کا زمانہ ۲۵۱ھ ۸۶۵ء میں تھا اور بعض ابو حفص سغدی کو جن کا زمانہ ۳۰۰ھ ۹۱۲ء میں تھا بتلاتے ہیں۔ فارسی میں قصیدہ کا موجد خواجہ عباس مروی ہے جو عربی اور فارسی دونوں

عام پسند ہوکر مرغوب طبائع خاص و عام ہوا۔

اسی زمانہ میں ہندوستان میں حضرت امیر خسروؒ اور امیر حسنؒ اس نئے طرز غزل کو کمال کے درجہ پر پہنچایا۔ علامۂ زماں میر علی آزاد بلگرامی تحریر فرماتے ہیں۔

شیخ سعدی شیرازی فروے از افراد اولیا و ثالث رسل ثلاثہ شعر است۔ و اوّل کسیکہ زمرہ غزل سنجید و دماغ عشاق را رسائی تازہ بخشید اگرچہ بیش از شیخ ہم قدما کم کم قانون غزل نواختہ اند اما بے نمک۔ شیخ شور غزل بطرز تازہ برانگیخت و نمک بر جراحت دردمندان ریخت و لہذا دیوان اورا نمکدان می گویند وہم شیخ در حالت حیات بود کہ امیر خسروؒ و امیر حسن در ہندوستان غلغلۂ غزل انداختند و سوز سینۂ داغدار انجمنہا را گرم ساختند۔ سلطان محمد قاآن مشہور بخان شہید ناظم ملتان دو مرتبہ التماس قدوم شیخ سعدی از شیراز نمود و اشعار امیر خسروؒ برائے ملاحظہ او فرستاد۔ شیخ از استیلاء ضعف پیری نتوانست رسید ہر دو بار دیوان خود را بخط خود بہ سلطان ارسال نمود و اشعار امیر را تحسین بلیغ کرد و بہ تربیت او تحریص نمود و بعد زمان ایں فصحائے ثلاثہ باب غزل مفتوح شد۔ و در ہر عصر جمعے طریق اجتہاد پیمودند و حُسن غزل را بہ انواع آرائش افزودند۔

امیر خسروؒ کے کلام پر رائے

امیر خسروؒ کا صرف وہ کلام جو انواع و اقسام کے صنائع بدائع اور مختلف رنگوں اور نئے نئے تصرفوں اور ایجادوں سے مرصع ہے اگر جمع کیا جاوے تو بہت سے شعرا کے کلام سے زیادہ نکلے گا۔

دولت و حشمت اُسے حاصل ہوئی وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ شرح یمینی کی روایت کے مطابق اُس کے اشعار کی تعداد اکتیس[۳۱] ہزار بیان کی جاتی ہے۔اس کے بعد اسدیؔ طوسی۔ ازرقی۔ فردوسی۔ عنصری۔ انوری۔ دقیقی۔ عسجدی۔ فرّخی۔ فلکی۔ نظامی۔ خاقانی۔ سنائی۔ فاریابی وغیرہ فارسی کے آسمان پر بجلی ہو کر چمکے اور ہر ایک نے اپنے اپنے کلام اور ایجادات کی خوبی کے انعام و اکرام شہرت کے خزانہ سے پاکر کمال کے دربار سے بقاے دوام کی سند حاصل کی۔

ساتویں صدی میں مشرقی شعرا کے سرتاج شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستانِ شاعری میں ایسے عجیب و غریب اور خوش نما گُل کھلائے کہ دنیا محو ہوگئی اور بحیثیت مجموعی جو قبولیت عام اس برگزیدہ روزگار کے کلام کو حاصل ہوئی وہ آج تک کسی شاعر کے کلام کو نصیب نہیں ہوئی۔عزیزی کا قول ہے۔

در شعر سہ تن پیمبرانند	ہر چند کہ لا نبی بعدی
اوصاف قصیدہ و غزل را	فردوسی و انوری و سعدی

اُنھوں نے برخلاف شعراے متقدمین کی بے نمک اور پھیکی غزلوں کے اپنی غزلوں میں عاشقانہ مضامین اور شوخی اور بانکپن کی ایسی میناکاری کی کہ موجودہ طرز غزل کے ایجاد کے فخر کا سہرا اُن کے سر پر باندھا گیا اور اُن کی فصاحت نے استعاروں کے پیچ اور تشبیہوں کی زنگارنگی کو چھوڑ کر سادگی کا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ اُن کا کلام

اور انیس القلوب فصاحت و بلاغت کے ایسے معراج کمال پر پہنچے
کہ بڑے بڑے فضلاے روزگار نے اُن کے جواب میں طبع آزمائیاں
کیں مگر کسی کا جواب اُن کا مقابلہ نہ کرسکا۔ اخلاقی مضامین میں اُن کا
نمبر شیخ سعدی کے بعد ہے۔ اور کثرت کلام اور صنائع بدائع کے لحاظ
سے غالباً وہ فارسی کے جملہ شعراے متقدمین اور متاخرین کے سرتاج ہیں۔
اب ہم چند مشاہیر شعرا اور فضلا کی راے اُن کے کلام کی نسبت
درج کرتے ہیں۔

مولانا نور الدین جامیؒ بہارستان میں فرماتے ہیں۔
امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ در شعر مستثنیٰ است قصیدہ و غزل و مثنوی ورزندہ
وہمہ بکمال رسانیدہ۔ تتبع خاقانی میکند ہرچند در قصیدہ بوے نرسیدہ اما غزل را از وے
گذرانیدہ و غزلہاے بواسطۂ معنی آشنا کہ ارباب عشق و محبت بحسب ذوق و
وجدان خود را درمی یابند مقبول ہمہ کس اُفتادہ است خمسۂ نظامی بہ از وے
کسے در جواب نگفتہ و وراے آں مثنویہا دیگر دارد ہمہ مطبوع و مصنوع۔
ایک دوسرے مقام پر امیر خسروؒ اور امیر حسنؒ کی نسبت فرماتے ہیں ؎

آں دو طوطی کہ بنوخیزی شاں	بود در ہند شکر ریزی شاں
عاقبت سخرۂ افلاک شدند	خامشان قفس خاک شدند

میر آزاد بلگرامی وقوع گوئی کا بانی مبانی ان کو بتاتے ہیں اور اپنے
کلام کی تائید میں ان کا یہ کلام پیش کرتے ہیں ؎

خوش آں زماں کہ بروئیش نظر نہفتہ کنم	چو سوے من نگرد او نظر بگردانم

اُن کا تمام کلام عاشقانہ اور تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ غزلوں میں عاشقانہ مضامین کی ایسی میناکاری کی ہے کہ خاص و عام سب میں یکساں ہردلعزیز ہیں قوال معرفت کی محفلوں میں انہیں کی غزلوں کو گاکر محفلوں کو گرماتے ہیں[1]۔ عوام اور ارباب نشاط یاروں کو سُنا سُناکر مزے اُڑاتے ہیں۔ جس طرح عوام الناس اُن کے ظاہری عشقیہ مضامین سے لطف پاتے ہیں اُسی طرح صوفیان صافی دل اور علمائے دقیقہ شناس ادراک معانی سے دقائق و معارفت الٰہی کا حظ اُٹھاتے ہیں

فارسی کے باکمال شعرا خاقانی۔ ظہیر۔ انوری قصائد۔ اور فردوسی میدانِ رزم۔ مولانا نظامی مثنوی۔ شیخ سعدی۔ غزل اور اخلاقی مضامین کے مردِ میدان تھے۔ لیکن اس صاحب کمال کو نظم کے ہر شعبہ میں یکساں کمال حاصل تھا۔ غزل میں وہ شعرائے متقدمین اور شعرائے عہد سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ مثنوی کے دربار میں اُن کی کرسی مولانا نظامی کے برابر ہے۔ قصیدے کے میدان گھوڑدوڑ میں خاقانی اور ظہیر وغیرہ کے دوش بہ دوش ہیں اُن کے دو قصیدے بحرالابرار

[1] منقول ہے کہ سنہ ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء میں ایک دن شہنشاہ جہانگیر کے بزم شاہانہ میں مجلس سماع گرم تھی اُس وقت مولانا علی احمد نشانیؔ ولد مولانا حسین نقشی دہلوی مشہور شاعر جو علاوہ کمال شاعری کے علم ہیئت اور طبیعی میں بے مثال اور انشا اور املا میں بے نظیر اور جملہ خطوط میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے موجود تھے۔ جب سیدی شاہ قوال نے امیر خسروؒ کی یہ بیت گائی ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے ۔۔۔ من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

مولانا کو ایسا ذوق پیدا ہوا کہ فوراً سجدہ میں گر گئے اور اُسی حالت سجدہ میں انتقال کیا۔ (ماخوذ از توزک جہانگیری و نگارستان سخن)

باغ ازیں مرنج کہ تراگویم بسیار باریعنی بسیار میوہ آور و میوہ دار۔

وایں بیت امیر را تا امروز ہیچکس جواب نتوانست رسانید۔

مولانا ضیاء الدین برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی تحریر فرماتے ہیں۔

امیر خسروؒ خسروِ شاعرانِ ساحت و خلف بودہ است و در اختراع معانی و کثرت تصنیفات غریبہ نظیر نداشت و ہرچہ نسبت طبع لطیف و موزوں کند باری تعالیٰ اورا درآں ہنر سرآمد گردانیدہ بود و وجودے عدیم المثال آفریدہ و در قرون متاخر از نوادر اعصار پیدا آوردہ۔

شاہزادہ دارا شکوہ سفینۃ الاولیا میں لکھتے ہیں۔

درشعر چناں قادر بودند کہ مطلع الانوار راکہ درجواب مخزنِ اسرار است در دو ہفتہ تمام کردہ اند و در اشعار ایشاں یکہ بیتہا است کہ کم کسے باآں خوبی گفتہ باشد و ایں بیت از یکہ بیتہائے ایشان ست ؎

زُلفت زہر دو جانب خونریز عاشقان است		چیزے نمی تواں گفت۔ روئے تو درمیان است

و مضمونہائے تازہ عالی در اشعار میر آں قدر است کہ اگر ہمہ را جمع کنند از تصانیف بعضے زیادہ میشود و ہمیں طور در اقسامِ زبان و فنون علم ہندی بے مثل بودہ اند و بجامعیت ایشاں کم کسے گذاشتہ۔

کاتبی نیشاپوری کا قول ہے

گر حسن معنی زخسرو بر و نتواں عیب کرد		زانکہ اُستاد است خسرو بلکہ زاستاداں زیاد

امیر خسروؒ کے تتبع کرنے والوں میں خواجہ عصمت اللہ بخاری بھی ہیں۔ جب کاتبی کے زمانہ میں انکے کلام کی شہرت ہوئی تو ایک دن کاتبی نے امیر خسروؒ

غلام آن نفسم کادمم چو خانۂ او ولہ بخشم گفت کہ از در کشند بیرونش چو رفتم بر درش بسیار- درباں گفت ایں مسکیں ولہ گرفتار است شاید کایں طرف بسیار می آید
اور ان کے کلام کی نسبت فرماتے ہیں ۱؎

اے خسرو شوخاں چہ کند وصف تو آزاد میر خسرو نمکیں شعر ترا خواند آزاد	دیگر	خوباں عمل فتنہ ز دیواں تو یابند از نمکدان تو شد تازہ گرفتاری دل

صاحب تذکرہ مراۃ الخیال تحریر فرماتے ہیں-

بہ یک بیت از آں عارف حقیقی (امیر خسرو) کہ در صنعت ایہام ذی الوجوہ واقع شدہ و عجب تر از آں کسے نہ گفتہ است اکتفا نمود و صنعت مذکور چناں است کہ شاعر لفظے در شعر درج نماید کہ آزاد دو معنی یا زیادہ باشد و حضرت امیر دریں بیت لفظے آوردہ کہ ہفت معنی صحیح ازاں بر می آید- وہی ہذا- شعر

پیل تن شاہی و بسیار است بارت بر سریر		زاں مریخ اے ابر و باغ ار گومیت بسیار بار

در لفظ بار کہ آخر است ہفت معنی ظاہر می گردد- اوّل- تو پیل تنی ازاں مریخ اگر گومیت بسیار بار یعنی گراں بار مئی بار تو بسیار است- دوم- تو شاہی ازاں مریخ اگر گومیت بسیار بار- چہ بار دادن بادشاہاں عبارت از جلوس فرمودن است بر سریر سلطنت و خود را بخاص و عام نمودن- سوم- تو شاہی ازاں مریخ اگر گومیت بسیار بار یعنی بسیار نیکو کار- چہ بار در لغت نیک کردار است- چہارم- تو شاہی ازاں مریخ اگر گومیت بسیار بار- یعنی بسیار بار ترا شاہ گویند- پنجم- تو ابری ازان مریخ اگر گومیت بسیار بار یعنی بسیار بارندہ- ششم- تو ابری ازاں مریخ اگر گومیت بسیار بار یعنی بسیار ببار- ہفتم- اے

۱؎ ان دونوں بیتوں کے آخری مصرعے امیر خسرو رح کے ہیں اور اول مصرعے میر آزاد بلگرامی کے ہیں جو انہوں نے امیر خسرو رح کے مصرعوں میں تضمین کئے ہیں-

بطرز جدا ست کہ یکے بہ دیگرے نمی ماند مگر کلام معجز نظام حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ را شانے و آنے دگر ست ہر کہ دلے دارد داند کہ در خانہ کیست و در نامہ چیست فہم من فہم

از اندرونِ خانہ چو آید ندا بروں		خود از مکیں بود متصوّر نہ از مکاں

ہر یک از شعرا را بقدر حصّہ از مبدء فیوض نصیبے دادہ اند کہ دراں صفت مستثنیٰ ست مگر حصّہ ایں خسرو اقلیم سخن از ہر صفت و ہر صنعت بہرۂ وافی و نصیبے کافی ست ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

منشی احمد حسین خاں صاحبِ حالات سعدی فرماتے ہیں

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جو شہرت گلستان و بوستاں کی بدولت شیخ (سعدی) کو نصیب ہوئی اُس کا عشر عشیر بھی خسرو کو نہیں ملا- مگر چشم انصاف سے دیکھکر یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ امیر خسرو کی بعض غزلیات شیخ کی غزلیات سے بڑھی ہوئی ہیں-

مسٹر ٹامس ولیم بیل صاحب اور ینٹل بایوگریفکل ڈکشنری میں لکھتے ہیں- کہ امیر خسرو ہندوستان کے سب سے بڑے مشہور شعرا میں ہیں ہندوستان میں اُن کی کتابیں مقبول عام ہیں اور فی الواقعہ وہ ایران کے نہایت قابل قدر شعرا کے کلام کا مقابلہ کرتی ہیں-

ظاہر ہے کہ شاعر کی طبیعت کا میلان مختلف وقتوں یعنی مختلف عمر میں یکساں نہیں رہتا اس سبب سے سب سے پہلے امیر خسروؒ کی جدّت پسند طبیعت نے اپنے کلام کو مندرجہ ذیل چار قسموں میں

کو خواب میں دیکھا اور اُن سے کہا کہ عصمت آپ کا ایک ادنیٰ خوشہ چیں ہے۔ اُس کے اشعار کی آپ کے اشعار سے زیادہ شہرت کا کیا سبب ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ اس کا کوئی خوف نہیں۔ عصمت کے اشعار میرے ہی اشعار ہیں۔ اس واقعہ کو کاتبی نے خود اسطرح تحریر فرمایا ہے ؎

میر خسرو را علیہ الرحمہ شب دیدم بخواب		گفتم ایں عصمت ترا یک خوشہ چین خرمن است
شعر او از شعر تو چوں بیشتر شہرت گرفت		گفت باکے نیست شعر او ہمیں شعر من است

نواب محمد صدیق حسن خان مرحوم شمع انجمن میں لکھتے ہیں۔

خسرو دہلوی خسرو قلمرو معانی ست و صاحبقران سواد اعظم سخندانی۔ نمک کلامش شور افگن انجمنہا و سوز سینۂ او آتش زن خرمنہا۔ در زبان عرب و عجم و ہند سخن گفت۔ عدد اشعارش بہ پنج لک شعر میرسد۔ سخن آفرینے بایں قدرت و سرمائگی در ایران دیار ہم نہ برخاستہ۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔ صنائع و بدائع کہ در قدماء از خسرو دہلوی و در متاخرین از شیخ حبیب اللہ اکبرآبادی بر روئے کار آمد در قالب گفت درنیاید موقوف بر گلگشت مؤلفات و مجامیع الیشان ست۔

مولوی ابو الحسن صاحب شارح مطلع الانوار فرماتے ہیں۔

خسرو دہلی ست بنزد حسن		خسرو اقلیم سخن بے سخن

مولوی ظہیر الدین خاں صاحب فرماتے ہیں۔

برارباب سخن شناس نیکو ظاہر کہ ہرچند مذاق سخن تمام اہل سخن ہر یک

مائیت بمرتبۂ ہوائیت رسیدہ و در حد مائیت خویش ماندہ و در حد مائیت خویش۔
ومرتبہ سوم غزلہائیست برشتہ باد چوں خاصیت آب گرم و تر افتادہ است واین
غزلہا لطیف ترست وروان تر و برتر و ازلبس لطافت خلل پذیر نبود و این
غزلہا نیز مانند باد گرم و تر اُفتادہ است و از غزلہائے کہ مانند آب لطیف وروان تر
و عالم بے بر و از آتش طبع قوت بسیار یافتہ است و از مقام ہوائیت بمرتبہ مائیت
رسیدہ و این ازآن عزۃ الکمال ست۔ غزلہائے او نیز بریں نوع اُفتادہ است
باید کہ خوانندہ بطبع وقاد تاویل نمایند و مرتبۂ چہارم غزلہائے مثال آتش ست
چنانکہ آتش بعلو میل دارد و ہیچ سرِ بہ پستی فرود نیارد و تنزل را دروے راہ نبود
ہیچ طبعے ازو بلندتر نبود و باو نرسد چنانکہ حرارت خاصۂ آتش ست در دلہائے
نرم چوں آتش در پنبہ گیرد و دل آہنیں را قدرے نرم سازد و اگر دلے ست کہ
درو عشق جائے دارد نیک بسوزاند و خاکستر گرداند۔ غزلہائے بقیۂ نقیہ و بعد
ازیں اگر شعلۂ روشن و آتش طبع وقاد کہ در شعر بود امید ست کہ ازیں غزلہائے
سوزاں بلند کرۂ اسیر را سراسر آتش پائے گردانم بہ مثابتے کہ شعلۂ سوزان آن
از خرمن آں رو در خوشۂ عطارد گیرد چنانکہ اشراق آن در چرخ اُفتد و مشعلۂ آفتاب
را آب گرداند۔

دیوان تحفۃ الصغر۔ وسط الحیات۔ عزت الکمال۔ بقیہ نقیہ کی نسبت
ایلیٹ صاحب اپنی تاریخ میں حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں۔

امیر خسروؒ کے پہلے دیوان کا نام تحفۃ الصغر ہے اور اُس میں وہ تصنیفات
شامل ہیں جو اُنہوں نے سولہ[16] برس کی عمر سے اُنیس[19] برس کی عمر تک تصنیف کیں

تقسیم کرکے چار دیوانوں پر مشتمل کیا۔

اوائل عمر	عہد جوانی	سن کہولۃ	پیرانہ سالی
تحفۃ الصغر	غرۃ الکمال	وسط الحیات	بقیہ نقیہ

دیباچہ بقیہ نقیہ میں خود فرماتے ہیں۔ دریں وقت اکثر طبائع بغزل میل دارد وازاں روزبازار فارس گرم است و راویانِ سخن میخوانند تا ازشعلۂ غزل محرق مجلس راگرم گردانند۔ اکنوں مصلحت آں دیدم کہ بہوائے دلِ خویش کہ کثافت طبیعت او آب گشتہ است از نائرۂ قلم روانہ گردانم و در اوصاف ہر غزل چہار تشبیہ بہ چہار عنصر برائے نمونۂ شعر ہر آئینہ تخیل حکما از چہار طبع خویش رواں سازم تا بدانند شعر

تابدانند کہ یک طبع رہے ہست چہار		کہ ہمی زاید ازو معدنِ حیوان ونبات

معلوم خواطر اصحاب طبع باد کہ مرتبۂ اوّل غزلیات بمشابۂ خاک سرد و خشک وکثیف ونازک ست ایں غزلہا نیز بہ نسبت صنائع و بدائع خشک و تکلیفات سرد وکثیف تکلفات وبکثافت میل کند چوں بکام برداخت۔ آں دیوانِ اوّل تحفۃ الصغر ست ایں طفل خاک راکہ ایام خاک بازی ست باطفلاں و ہر ضیفے رغبتے تمام غزلہائے دیوان بریں افتادہ است شعر

	سہل باشد نباشد آں لبیار		کانچناں اندک ست نے لبیار	

مرتبہ آں بود و مرتبہ دوم غزلہا آب بود چوں آب برخیال لطیف و از خاک برتر است و از کدورات الفاظ کثیف مصفا وسط الحیوٰۃ ست گرم و تر اُفتادہ ست گوئی آبے ست کہ از آتش طبع خویش جوش لبیار یافتہ است از محل

اس دیوان میں نوروز اور عید وغیرہ کے موقعوں پر جو نظمیں موزوں کی گئی تھیں وہ سب موجود ہیں۔ دیوان کا حجم تقریباً ۶۹۴ صفحہ ہے۔

چوتھا دیوان بقیہ نقیہ ہے اس میں پچاس برس سے لیکر چونسٹھ برس تک کی عمر کی تصنیفات ہیں۔ اس میں بھی مندرجہ بالا لوگوں کی شان میں قصائد سلطان کی وفات پر ایک مرثیہ اور اس کے علاوہ متفرق مثنویاں ہیں جو کہ شاہزادہ کی شادی اور دوسرے موقعوں پر نظم کی گئی تھیں۔

امیر خسرو رح کے ان چاروں دیوانوں میں سے آج کل عام طور سے کوئی دستیاب نہیں ہوتا اُنھوں نے اپنی زندگی میں ان چاروں دیوانوں سے انتخاب کرکے ایک دیوان مرتب کیا تھا جس کا نام عناصر خسرو ہے۔ یہ اُن کے کل کلام کا عطر یا اُن کے گلستان شاعری کا ایسا خوشنما گلدستہ ہے۔ جس میں گلہائے رنگارنگ اپنے قدرتی جوبن دکھا رہے ہیں۔ اس کے مختلف اشعار انواع و اقسام کے صنائع و بدائع سے آراستہ اور اُس کی غزلیں مضامین عاشقانہ۔ صفائی بیان۔ طرز ادا کی نزاکت سے پیراستہ ہیں۔

علمی دنیا منشی نولکشور صاحب سی۔ ایس۔ آئی کے اس احسان کی ہمیشہ ممنون و مشکور رہیگی کہ اُنھوں نے دس برس کی لگاتار تلاش و جستجو کے بعد عناصر خسرو کا ایک پرانا قلمی نسخہ جو مصنف کے بہت قریب زمانہ کا لکھا ہوا تھا دستیاب کرکے ۱۸۷۱ء میں اُس کو اپنے مطبع میں چھپوا دیا جو اُن کی بدولت شائقین کو آج تک عام طور

یہ دیوان سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کا ہے۔ اس میں علاوہ غزلیات کے سلطان اور شاہزادوں اور دیگر امراء کی مدح میں قصائد ہیں جو اکثر نوروز اور عید کے موقعوں پر کہے گئے ہیں۔ ترجیع بند عموماً حضرت نظام الدین اولیاؒ یا سلطان بلبن کی شان میں ہیں۔ دوسرا دیوان **وسط الحیات** ہے جس میں چوبیس ۲۴ برس کی عمر سے بتیس ۳۲ برس کی عمر تک کی تصنیفات شامل ہیں اور اسکے قصائد عموماً حضرت نظام الدین اولیاؒ کی مدح میں ہیں باقی قصائد دیگر امراء کی شان میں ہیں۔

تیسرا دیوان **غرۃ الکمال** ہے یہ امیر خسروؒ کا تیسرا اور سب سے بڑا دیوان ہے اور مفتاح الفتوح بھی جو کہ ایک مثنوی ہے اسی دیوان میں شامل ہے۔ لیکن بوجہ اپنی عمدگی اور ترتیب کے علیحدہ کتاب خیال کی جاتی ہے۔ اس دیوان کے اکثر نسخوں میں یہ مثنوی بلکہ اس کے علاوہ اور دوسری مثنویاں بھی شامل ہیں۔ لیکن جو نسخہ نواب ضیاء الدین خان دہلوی کے کتب خانہ میں تھا اس میں مثنوی وغیرہ کچھ نہ تھی۔ اور چونکہ اس نسخہ پر ترکانہ شاہی اور جہانگیر کی مہر تھی اس لئے گمان غالب ہے کہ یہ ہی نسخہ مستند ہو۔ اس دیوان میں چونتیس ۳۴ برس سے بیالیس ۴۲ برس تک کی عمر کی تصنیفات شامل ہیں۔ اس کے شروع میں ایک پُر لطف اور دلچسپ دیباچہ ہے۔ جس میں مصنف نے اپنے حالات زندگی قلمبند کئے ہیں۔ اس میں بھی حضرت نظام الدین اولیاؒ اور دیگر امرائے دربار کی شان میں قصائد موجود ہیں اور ایک مرثیہ بھی ہے جو مصنف نے شاہزادہ افتخار الدین پسر سلطان جلال الدین کی وفات پر موزوں کیا تھا۔

بر در بے نیازیت صد چو حسین کربلا — تشنہ بماند بر گذر تا بہ زلال کے رسد

ہست بہ تنگنائے دل جلوۂ قرب روز و شب — لیک بجلوہ گاہ چناں چشم خیال کے رسد

زاں چمنے کہ بلبلش روح قدس ہمی سزد — گلخنیانِ خاک را بوئے وصال کے رسد

توسنِ چابکاں سبک عرصۂ کوئے نیکواں — آنکہ فتاد مرکبش بر سر حال کے رسد

حربۂ ردّ عاشقاں بر سرِ چوں منی سزد — راہروانِ پاک را لوثِ وبال کے رسد

آیتِ رحمت از حرم ہست برائے حاجیاں — خسروِ بت پرست را جز خط و خال کے رسد

ایضاً

اے بدرماندگی۔ پناہ ہمہ — کرم تست عذر خواہ ہمہ

بندِ نعلین رہروانِ درت — شرمۂ تکمۂ کلاہ ہمہ

قطرۂ زابرِ رحمتِ تو بس ست — شستنِ نامۂ سیاہ ہمہ

از رہے بر مرا کہ در تو رسم — اے ببوسے درِ تو راہ ہمہ

گنہِ ما ہمہ فزوں زقیاس — عفوت افزوں تر از گناہ ہمہ

خسرو از تو پناہ مے جوید — اے پناہِ من و پناہ ہمہ

قصیدہ فی نعت سید المرسلین و خاتم النبییّن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اے رسالت را علم افراختہ — دستِ تو تیغِ شریعت آختہ

مرکبت کو بر مکاں بنہاد پائے — قدر تو بر لامکانش تاختہ

سے مل جاتا ہے۔

دولت شاہ سمرقندی نے اپنے تذکرہ میں امیر خسروؒ کے دیوان کی نسبت حسب ذیل تحریر فرمایا ہے۔

دیوان امیر خسروؒ کو فضلائے عہد جمع نہ کرسکے اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح سمندر کا برتن میں اور علم لدنی کا تحریر میں آنا ناممکن ہے اسی طرح اُن کا کل کلام جمع کرنا ناممکن امر ہے۔ شاہزادہ سعید بایسنغر[۱] بہادر نے نہایت تلاش اور کوشش سے ایک لاکھ بیس ہزار بیتیں غزلیات کی جمع کیں اور اسکے بعد دو ہزار بیتیں ایک دوسری جگہ سے دستیاب ہوئیں۔ اور جب لوگوں کو تحقیق ہوگیا کہ اُن کے کل اشعار کا جمع کرنا مشکل ہے تو لوگوں نے اس خیال کو ترک کر دیا۔

عناصر خسروی میں اکیس قصیدے آٹھ سو نوے غزلیں ستاون قطعات و رباعیاں ہیں۔ اُس کے کُل اشعار کی تعداد سات ہزار سات سو پچاس ہے۔ ہر غزل یا قصیدہ کے شروع میں نام دیوان کا جس سے وہ قصیدہ یا غزل منتخب کی گئی ہے لکھا گیا ہے۔ اِس خزائن خسروی سے یہ چند گوہر بے بہا دکھائے جاتے ہیں۔

قصیدہ فی توحید باری تعالیٰ

اے زخیال ما بروں در تو خیال کے رسد	با صفتِ تو عقل را لاف کمال کے رسد
گر ہمہ مردم و ملک خاک شوند بر درت	دامنِ عزتِ ترا گرد زوال کے رسد
کنگرِ کبریائے تو ہست فراز لامکاں	طائر ما دراں ہوا بے پر و بال کے رسد

[۱] عجیب اتفاق ہے کہ جامع کلیات امیر خسروؒ کا نام بھی سعید تھا اور راقم الحروف مولف حیات خسروؒ بھی اسی نام سے موسوم ہے ۱۲

جهانداری نکوکاری فلک قدری ملک صدری … علاء الدین علو حق محمد نام احمد فر
سرافراز و سرانداز و جهانگیر و مخالف کش … ظفریاب و گهرپاش و جهان بخش کرم گستر
ره رای و دم خلق و فن علم و هنر صافش … خرد را بیخ و جان را شاخ و تن را رگ و حق را بر
امان و امن و عدل و راحت ست اندر زمان او … بشرق و غرب و شهر و دیه و کوه و دشت و بحر و بر
جمال و زیب و یمن و فر گرفت از خطبهٔ نامش … رخ جمعه صف قبله در مسجد سر منبر
بزرگ و خرد و خاص و عام را در ذکر ذات او … صفت ورد و لقب حرز و دعا یاد و ثنا ازبر
ربود و بود و بشکست و ستد باد سنان او … ز مردان دل ز شیران جان ز خصمان تن ز شاهان سر
دران روزے که از سهم و لوا و خاک و خون گردد … جهان او هم هوا ابرش قضا ابلق سما اخبر
سواران و یلان و پردلان و صفدران بینی … کمند انداز و خنجرگیر و ناوک بار و جولان گر
به آهنگ و درنگ و حیله و حمله شود پیدا … یل از شست و براز گرگ و سگ از شیر و دلیر از غر
کند شاه از سنان و تیر و گرز و حربه گر خواهد … فلک زیر و زمین بالا و دوران پشت و دهر ابتر
حسود و دشمن و بدخواه و خصمش را رسد هر دم … بدل ناوک بجان ژوپین بتن نیزه بسر خنجر
بشست هر دو دست کرد و مشت قوس و پشت یل … رود ناوک دو دو بیلک جهد سورے برد کلبر
ز رعب و بیم و ترس و هیبت شه گم کند آندم … ثوابت جا ثریا ره کواکب پا ملایک پر
کشاید چار چیز از چار جا یک زخم تیر او … ز تن خون و ز ابر آب و ز کُه دود و ز سنگ آذر
بهر جاے و صف و کوس و رکاب و مرکبش را شد … شرف موکب علو رایت بقا ساقه ظفر رهبر
جهاندارا بعلم و حلم و مهر و کین سرآید دم … تن عالم دل دریا کف معدن سر لشکر
سریر و ملت و ملک و جهان در ضبط خود کردست … بکار و بار و دین و کیش و دست و شست و زر و زور
زعنف و لطف تو هستند مردم عاصی و مخلص … بنار و نور و دود و داد و سوز و ساز و خیر و شر

آدم و من دونہ تحت اللوا ‏ آمدہ چوں تو لوا افراختہ
نہ قبائے چرخ را خیاط صنع ‏ خاص بہر قامتت پرداختہ
میم احمد را گزیدہ بعد ازاں ‏ خاتم مہر نبوت ساختہ
ہر کہ او از میم احمد طوق یافت ‏ در یکے گوئی رود چوں فاختہ
جز خدا کس حد تو نشناخت زانکہ ‏ کس خدا را ہمچو تو نشناختہ
تافتہ نور تو از روز ازل ‏ پرتو خود تا ابد انداختہ
دیدۂ کش در نظر ناید بہشت ‏ عشق با خاک جنابت باختہ
عاصیان زرد رو را کردگار ‏ از برائے روے تو بنواختہ
بندہ خسرو تا نویسد نعت تو ‏ زآتش دل جان خود بگداختہ

قصیدہ فی المدح سلطان علاؤ الدین محمد شاہ خلجی

درآ اے ہمچو شاخ گل لطیف و نازنین و تر ‏ نشاط انگیز و عیش افزا و راحت بخش و جاں پرور
ز زیبائی و لطف و نازکی و تازگی پیشت ‏ چہ ریحان و چہ نسرین و چہ شمشاد و چہ نیلوفر
ز عکس عارض و جعد و بناگوش و دو چشم تو ‏ دمد لالہ چمد سنبل فتد نسریں پرد عبہر
زگلگشت و جوے افشاں نسیم و عطر تو جوید ‏ چمن روح و سمن طیب و صبا مشک و گیا عنبر
تن و روے و خط و خد و بر و قد و لب لطفت ‏ مہ و مہر و شب و روز و گل و سرو و می و شکر
شبم در ہجر و بیداری و شوق و غم بود بے تو ‏ نفس مونس حجر بالش خسک بالیں زمیں بستر
زہے از ابرو و مژگاں خہے از نرگس و غمزہ ‏ خصومت ساز و عاشق سوز و افسوں خوان و جادو گر
بیا تا با تو شادم خرم و آسودہ و خنداں ‏ شوم ہمدم کنم عشرت خورم بادہ کشم ساغر
کہ ہست از عون و عدل و بذل و احسان شہ عالم ‏ جہاں بے غم اماں محکم طرب بیحد خوشی بیمر

سبزهٔ نوخیز و هوا خرم و لبستاں سرسبز بلبل روے سیه مانده ز گلزار جدا
اے مرا در تو هر بند ز زلفت بندے چه کنی بند ز بندم همه یک بار جدا
دیده ام بهرِ تو خونبار شد اے مردم چشم مردمی کن مشو از دیدهٔ خونبار جدا
نعمت دیده نخواهم که بماند پس ازیں مانده چوں دیده ازاں نعمتِ دیدار جدا
دیده صد رخنه شد از تیر تو خاکی ز رست زود برگیر و یکاں رخنه بے نار جدا
میدهم جاں مرو از من دگرت باور نیست پیش ازاں خواهی تو بستان و نگهدار جدا

حسن تو دیر نماند چو ز خسرو رفتی
گل بسے دیر نماند چو شد از خار جدا

از بقیۃ نقیہ

مسلمانان گرفتارم بدست نامسلمانے ازیں دیوانه بدمستے و بدخوئے و ناداںے
بطره آشنا بندے بخنده پارسا بینے بغمزه ناخدا ترسے بکشتن نامسلمانے
بابرو فتنه انگیزے بنرگس عالم آشوبے ببالا آفت آبادے بکاکل کافرستانے
دغاے بد نخواهم کرد لیکن اینقدر گویم که یارب مبتلا گردے چو من روزے بهجرانے
طبیباں بهرِ جانِ ناتوانم غم مخور چندے رہا کن جاں دهم زیرا کنی ارزم بدرمانے

کنوں یادِ شراب و شاهد و مستی و قلاشی
گذشت ست آنچه خسرو را سرے بود ست و سامانے

از غرۃ الکمال

گرچه خوباں زمه فزوں باشند پیش آں ماهِ من زبوں باشند
مردمانے که روے او دیدند تا بباشند سرنگوں باشند
گفتمش بنده ایم گفت خموش تو چه دانی که بنده چوں باشند
یار مهمانِ تست اے دیده مردماں را بگو بروں باشند

زفلبت ہرامیر و پہلوان و گرد و لشکر کش	تہمتن تن سیاوش وش فریدوں فر سکندر در
حریم بار و چتر ملک و نعل اسپ و پا بوست	در خلد و شب قدر و مہ عید و حج اکبر
سنر د رضوان و حور و آفتاب و زہرہ در بزمت	نشاط آغاز و ساحت زیب و نقل آرائے و خنیاگر
ز طبع و ذہن و فہم و وہم خسرو یافت در مدحت	زباں گوہر سخن ہدیہ قلم حلیہ ورق دفتر
ہمیشہ تا بشکل طول و عرض و عمق چرخ آمد	زہ قوس و جد جدی و سر قطب و خط محور

بجزم و عزم و بزم و رزم بادت ہر کجا خواہی
قدر حالی فلک خادم قضا حافظ خدا یاور

غزلیات

اے چہرۂ زیبائے تو رشک بتان آذری	بقیہ نقیہ	ہر چند وصفت میکنم در حسن زاں زیباتری
ہرگز نیاید در نظر نقشے زرویت خوبتر		شمسی ندانم یا قمر حوری ندانم یا پری
تو از پری چابک تری و ز برگ گل نازک تری		وز ہر چہ گویم بہتری حقا عجائب دلبری
آفاق ہا گردیدہ ام مہر بتان ورزیدہ ام		بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری
عالم ہمہ یغمائے تو خلقے خدا شیدائے تو		آں نرگس شہلائے تو آوردہ رسم کافری
اے راحت و آرام جاں باقد چوں سرو رواں		زینساں مرو دامنکشاں کارام جانم می بری
بعزم تماشا کردۂ آہنگ صحرا کردۂ		جان و دل ما بردۂ اینست رسم دلبری

خسرو غریب ست و گدا افتادہ در شہر شما
باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

ابر می بارد و من مے شوم از یار جدا	التحفۃ الصغر	چوں کنم دل بچنیں روز ز دلدار جدا
ابر باراں و من یار ستادہ بوداع		من جدا گریہ کناں ابر جدا یار جدا

باآنکہ خوش باشد چمن از سرو و نسرین و سمن	بسیار دیدم از تو من بسیار از ایشاں خوشتری
ہر چند بلبیم دلبرا تشنہ ترست ایں دل مرا	خواہم بیاشامم ترا کز آب حیواں خوشتری
گرچہ جوانی خوش بود بے تو ندانی خوش بود	ور زندگانی خوش بود حقا کہ تو زاں خوشتری
بادی چہ باشد دل ببیں کانجا کنی منزل گزیں	در چار سوئے جاں نشیں کز مست بستاں خوشتری
نقش تو اے شمع چگل بیروں ہم زیں آب و گل	لیکن توئی چوں گنج دل در کنج ویراں خوشتری

دارم ز تو دردے قوی میخواہمش از سر نوی
زانکہ کہ درد خسروی لیکن ز درماں خوشتری

انتخاب غزلیات

اے باد برقع برفگن آں روئے آتشناک را	غرة الکمال	وے دیدہ گر صفرا کنم آبے بزن ایں خاک را
خسرو کہ ایں خس بود کز سوز عشق ازبس لبود	〃	یک ذرہ آتش بس بود صد خرمن خاشاک را
بشگفت گل در بوستاں آں غنچہ خنداں کجا	غرة الکمال	شد وقت عیش دوستاں آں لالہ بستاں کجا
ہر بار کو در خندہ شد چوں من ہزارش بندہ شد	〃	صد مردہ زاں لب زندہ شد درد مرا درماں کجا
میگفت با من مرزباں گر جاں دہی یابی اماں	〃	من میکنم فرماں بجاں آں یار بیفرماں کجا
گفتم توئی ایں در تنم تا ہست جان روشنم	〃	گفتی کہ آرے ایں منم گر ایں توئی پس جاں کجا
برقع برافگن اے پری حسن بلا انگیز را	غرة الکمال	تا کلک صورت بشکند ایں عقل رنگ آمیز را
دلم در عاشقی آوارہ شد آوارہ تر بادا	تحفة الصغر	تنم از بیدلی بیچارہ شد بیچارہ تر بادا
صد ہزاراں آفریں جاں آفرین پاک را	بقیہ نقیہ	کافرید از آب و گل سروے چو تو چالاک را
جاں فدائے دوست کن کم زاں زن ہندو نئہ	بقیہ نقیہ	کز وفائے شوے در آتش بسوزد خویش را
خسروا اگر انگبیں میخواہی از شکر لباں	〃	اوّل اندر کام شیریں کن زبان خویش را

اے دلِ خوں گرفتہ عشق میار — کہ بتاں تشنگانِ خوں باشند
عافیت را بخواب می جویند — دردمنداں کہ بے سکوں باشند
عقل دردِ سرست زیں معنی — عارفاں عاشقِ جنوں باشند
تو بروں رو کہ سینہ ام کاے جاں — یار یاراں از دروں باشند

عشق بازی ز خسرو آموزند
لیلیٰ و مجنوں از کنوں باشند

[illegible]

چہ بلاست از دو چشمت نظرِ نیاز کردن — غمزہ را کشاد دادن درِ فتنہ باز کردن
چو کمال صنع بیچوں ز جمالِ تست پیدا — نتواں حدیث عشقت زرہِ مجاز کردن
ہمہ خوابِ مردماں شد بدو دیدہ تلخ یارب — ز کجات گشت شیریں حرکات ناز کردن
چہ خوش ست با تو خلوت کہ دہد سرشک خونیں — ز خراش دل گواہی بہ زبانِ راز کردن
تو بخسپ خوش کہ مارا ز غمش چو شمع جو شد — ہمہ روز زندہ بودن ہمہ شب گذار کردن
بجفات دل نہادم بکن انچہ می توانی — چکنم نمی توانم ز تو احتراز کردن
بہوس فدا کنم جاں بدرت کہ نیست عاری — پسرِ سبکتگیں را ہوسِ ایاز کردن
صفِ عاشقانست اینجا مدہ اے فقیہ زحمت — کہ بشہر بت پرستاں نتواں نماز کردن

چہ بود متاع خسرو کہ کند نثار جاناں
مگسے چہ طعمہ راند بدہان باز کردن

[illegible]

بخرام اے سرِ رواں کز باغ رضواں خوشتری — دل دادگانِ خویش را میکش کہ از جاں خوشتری
در ہوشیاری مہوشی سرمست و غلطاں دلکشی — چوں موکنی شانہ کشی طرہ پریشاں خوشتری
چوگانت دلجوے از ہمہ سر بردہ ہر موے از ہمہ — خوش می بری گوے از ہمہ در لعب چوگاں خوشتری

بجائے محنت ایوب و اندوہ دلِ یعقوب	عزۃ الکمال	بلا اینست و بیماری و تنہائی کہ من دارم
ز دنیا میرود خسرو بزیرِ لب ہمی گوید	″	دلم بگرفت ازین غربت تمنائے وطن دارم
اے آرزوِ امید واراں	وسط الحیات	وے مرہمِ دردِ دل فگاراں
از دشمنی انچہ بود کردی	″	اے دوست چنیں کنند یاراں
گر شرح دہم غم تو صد سال	″	یک قصہ نگویم از ہزاراں
خواہی دلا فردوس جاں خسار جاناں را بہ بیں	وسط الحیات	ور بایدت سروِ رواں آں میر خوباں را بہ بیں
اے دل کہ ہستی بیقرار از بہر روئے آں نگار	″	ایں جانت می آید بکار آں شکل جاناں را بہ بیں
اے بت پرستِ ہندو چیں کرنا وبت بوسی زمیں	″	چندیں چہ گوئی بت چنیں آں یک مسلماں را بہ بیں
گم کرد جانا بر ورت ہم جان و ہم دل جا کرت	″	ور گیسوِ عذر آورت ایں را بجو آں را بہ بیں
دارم ز تو داغِ کہن در نیست باور ایں سخن	″	نبداز مرو دل پارہ کن واں داغِ پنہاں را بہ بیں
روا اے صبا و سلامم بدلنواز رساں	عزۃ الکمال	نیاز بندہ بہ آں شوخ عشوہ ساز رساں
سلام خدمت ما اے صبا بیار بگوے	بقیہ نقیہ	فغان و زاری بلبل بہ نوبہار بگوے
بیچارہ خسرو خستہ را خوں ریختن فرمودہ سست	تحفۃ الصغر	خلقے بمنت یکطرف آں شوخ تنہا یکطرف

قطعہ و رباعیات

مرد بخشندہ کسے را گویند		کہ بہ درویش دہد پے در پے
ہر کہ بخشد بتوانگر درمے		خندہ کن گرچہ بود حاتم طے
ابر اگر بر سرِ دریا بارد		شاید ار برق بخندد بروے
حاصل خود بخور و اندوہ بیہودہ مخور	ولہ	باشد آں را چہ خوری حاصلِ دیگر باشد
دگر آنرا بخوری حاصلِ دیگر نشود		غم امروز ہماں روزت در خور باشد

ماهرویا بجنونِ من مشتاب	بقیه نقیه	کشتنِ عاشقاں که دید صواب
چه ملامت کنید خسرو را	″	فاتقوا الله یا اولی الالباب
دلِ مارا ز دستِ غم اماں نیست	تحفة الصغر	نشانِ شادمانی در جهاں نیست
جهاں پر آشنا و من به غم غرق	″	مگر دریاے محنت را کراں نیست
اندراں معرض که خود را زنده سوزد مردِ عشق	وسط الحیاة	اے بسا مردِ خدا کو کمتر از هندو زنے ست
یار چوں با ماست بهرِ دیدنش تعجیل چیست	غرة الکمال	یوسف اندر مصرِ دل در دیده رودِ نیل چیست
چوں جهالت آیتِ رحمت شد اندر شانِ خلق	″	آخر ایں چندیں زهرِ کشتنم تاویل چیست
ایکه خسرو را نصیحت میکنی از بهرِ عشق	″	پند چوں می نشنود بیهوده قال و قیل چیست
گلستانے ست خاکِ آستانت از رخِ خوباں	بقیه نقیه	که مرغِ آں گلستاں خسروِ سحر البیاں آمد
مبصراں که مزاجِ جهاں شناخته اند	وسط الحیاة	دو روزه برگ اقامت درو نساخته اند
سرے که زیرِ زمیں شد نهفته شاهاں را	″	هماں سر است که بر آسماں فراخته اند
خسروا دل بد مکن از نامرادیهاے دهر	تحفة الصغر	کاسماں را ایں همه بآدم هشیار بود
دو چشمت که تیرِ بلا میزند	غرة الکمال	چنیں تیر بر ما چرا می زند
کماں جانبِ دیگرے میکشد	″	ولے تیر بر جانِ ما می زند
زهے غمزه کز شوخی و چابکی	″	کجا می نماید کجا می زند
چو بوئے ترا در چمن می برد	″	نسیمِ بهار از صبا می زند
کسیکه یار وفادار مهرباں دارد	تحفة الصغر	سعادتِ ابد و عمرِ جاوداں دارد
خراشِ سینهٔ خود بابتِ خونخوار میگویم	وسط الحیاة	حسابِ خویش میدانم که غم با یار میگویم
من ایں آهِ جگر سوز از دلِ پیماں شکن دارم	غرة الکمال	چرا از دیگرے نالم که دردِ خویشتن دارم

بگردش ہست چندیں نقطہ را انجم	اگر یک نقطہ باشد بر سر نون
ببیں اندر رکوع آں پارۂ نور	ہلالش گوے خواہی خواہ ذوالنون
ہمانا حلقۂ گوشِ سپہر است	کہ وارد از کواکب در مکنون
سوادِ شام در پیشش مہِ نو	مگر لیلی استتا در پہلوئے مجنون
چنیں ماہِ نو و عیدِ خجستہ	مبارک باد بر ذاتِ ہمایوں

غزل

ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست	کافرِ عشقم مسلمانی مرا در کار نیست
از سرِ بالینِ من برخیز اے ناداں طبیب	دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست
ابر را با دیدۂ گریانِ من نسبت مکن	نسبتت با اندکے دارد ولے خونبار نیست
شاد باش اے دل کہ فردا بر سرِ بازارِ عشق	مژدۂ قتل است گرچہ وعدۂ دیدار نیست
خلق میگوید کہ خسرو بت پرستی می کند	آرے آرے میکنم با خلق و عالم کار نیست
خسروا در عشق بازی کم ز ہندو زن مباش	کز برائے مردہ سوزد زندہ جانِ خویش را
ہمہ سلطانِ ملکِ حسن و ما درسلکِ درویشاں	دلا دامن فراہم کن کجا ما و کجا ایشاں

مثنوی

نشاید بادشہ را مست بودن	نہ در عشق و ہوس پیوست بودن
بود شہ پاسبانِ خلق پیوست	خطا باشد کہ باشد پاسباں مست
شباں چوں شد خراب از بادۂ ناب	رمہ در معدۂ گرگاں کند خواب

در آئینے کہ رسمِ ملک داری ست
ثباتِ کارہا در ہوشیاری ست

الٰہی باشد باہستی زرِ غم خوردن		ہم کہ او غم خورد و زر نخورد خر باشد
روشندلانِ صاف درون را خلل بود	وله	در کار خلق چشم کشادن بخیر و شر
پوشیدہ نیست نزد ہمہ کس کہ طاس را		سوراخ عیب باشد و غربال را ہنر
تا کے اے بے ہمت از بہر دو فلس کردہ ریگ	وله	قبلہ سازی وہ کہ مستی جاہلِ افسردہ را
گر قبلہ مسکنی بارے منہ سر بر زمیں		زانکہ در دیں سجدۂ نبود نمازِ مردہ را
بجاہ فقر تو نگر نمائے ہمت باش	وله	کہ گرچہ ہیچ نداری بزرگ دار ندست
بدانکہ باہمہ ہستی بشوی خسیس مزاج		کہ گرچہ قاروں باشی گدا شمار ندست
از عز محمد ار نداری خبرے	وله	کن از رہِ عقل در شہادت نظرے
اللہ و محمد ست پیوستہ بہم		یعنی کہ میان شاں نگنجد دگرے
وصف شرف تو بیش از ادراک آمد	وله	سبق او بہت لغبد و ایاک آمد
توقیع تو کز صحیفۂ پاک آمد		لولاک لما خلقت الافلاک آمد
احمد نامے کہ کانِ عالم زو بود	وله	یک توسے قبایش فلک نہ تو بود
بسیار چکید قطرہا از آدم		آں قطرہ کہ بحر گشت آخر او بود

مختلف کلام

مختلف تاریخوں اور تذکروں سے امیر خسروؒ کا وہ چیدہ کلام جو عناصر خسرو یا دیگر تصنیفات موجودہ میں نہیں ہے درج کیا جاتا ہے۔

در تعریف ماہ نو عید

بر آمد ماہِ عید از اوجِ گردوں		طرب چوں ماہِ نو شد ہر دم افزوں
بلوحِ آسماں نونے است یا عین		کہ بیروں آمدہ است از کلک بیچون

مشہور چلا آتا ہے جن کا بیان باب پنجم میں ہو چکا ہے۔

باب ششم

شعرائے عہد

امیر حسن علاء سنجری دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

نجم الدین نام حسن تخلص ساداتِ عظام دہلی سے تھے۔ حضرت امیر خسروؒ اور یہ دونوں میدانِ سخنوری میں توام اور مصداق ان ھذان لساحران کے ہیں۔ آپ حسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھے۔ ابتدائے حال میں روٹی کی دوکان کرتے تھے۔ جب امیر خسروؒ اور ان سے محبت پیدا ہوئی اُس وقت سے علوم و کمال کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور بہت تھوڑی مدت میں قابلیت علمی کے علاوہ اخلاق و عادات اوضاع و اطوار اور دیگر اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ سے موصوف ہوئے۔

سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سے محمدؐ تغلق کے عہد تک ہر بادشاہ کی ملازمت اور مصاحبت میں رہے اور ہر بادشاہ نے اُن کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اعزاز و اکرام سے رکھا۔

ملا قاسم فرشتہ تاریخ فرشتہ میں تحریر کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخؒ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے واسطے پرانی دہلی کو تشریف لے گئے تھے۔ جب حضرت خواجہؒ کی

متفرق رباعیات وغیرہ

رفتم سوے خطیرہ وبگرلیستم بزار ایشاں کجاشدند چو گفتم خطیرہ گفت		از ہجر دوستاں کہ اسیرِ فنا شدند داد از صدا جواب کہ ایشاں کجاشدند
اقبال را بقا نبود دل درو مبند گرنیست باورت زمن این نکتۂ شریف		عمریکہ برغرور گذاری ہبا بود اقبال را چو قلب کنی لا بقا بود
خسرو چہ حالت است کہ در دہر عالماں این نکتہ را بہ بین و بانصاف خوش سرائے		از جاہلانِ دون دنی بازپس تراند کز چار حرف قطرہ و دریا برابر اند
از شعلۂ عشق ہر کہ افروختہ نیست گر سوختہ دل نۂ زما دور کہ ما		باو سر سوزنی دلم دوختہ نیست آتش بدلے زنیم کو سوختہ نیست

ہندی کلام

امیر خسروؒ کا ہندی کلام بھی بہت تھا جو اب نہیں ملتا۔ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی حالت اُس زمانہ میں بالکل ایسی ہوگی جیسی آج انگریزوں کی ہے۔آج انگریز اور انگریزی تعلیم یافتہ اُردو اور دیگر ملکی زبانوں اور اُن کی تصنیف وتالیف کو نہایت بے قدری اور نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور اُن میں تصنیف وتالیف اور کمال پیدا کرنے کو کوئی کمال نہیں سمجھتے اسی طرح اُس زمانہ میں مسلمانوں کا حال ہوگا اور یہ ہی وجہ ہے کہ اُن کے ہندی کلام کی ترتیب و تدوین کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوا۔صرف چند گیت اور پہیلیاں اور مکرنیاں اور انمل دوہرے وغیرہ اور ایک غزل اور خالق باری کا اختصار آج تک

اعتقادی اور شگفتہ روئی اور تہذیب میں مثل امیر حسن رح کے بہت کم دیکھا اور سنا گیا ہے۔

اُن کی تصنیف و تالیف کی نسبت مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ علاوہ دیوان اور مثنویات کے نظم و نثر میں اُن کی بہت سی تصنیفات ہیں اور چونکہ وہ نہایت روانی سے وجدانی غزلیں موزوں کرتے تھے اس وجہ سے خاص و عام اُن کو سعدیِ ہندوستان کہتے تھے۔

مولانا جامی رح بہارستان میں فرماتے ہیں کہ غزل میں اُن کا رنگ خاص ہے۔ اُنہوں نے ایسے تنگ قافیے اور عجیب و غریب ردیفیں اور خوش رنگ بحریں اختیار کی ہیں کہ اُن کے اشعار بادی النظر میں آسان معلوم ہوتے ہیں لیکن کہنے میں بہت دشوار ہیں اور اسی وجہ سے سہل ممتنع کے نام سے مشہور ہیں۔

امیر حسن رح تمام عمر مجرد رہے اور جس زمانہ میں کہ محمد شاہ تغلق نے دہلی کے بجائے دولت آباد بسانا شروع کیا۔ یہ بھی مشائخ دکن کی زیارت کی آرزو میں دولت آباد تشریف لے گئے اور اُسی جگہ ۷۳۶ھ ۱۳۳۵ء میں وفات پائی اور بالا گھاٹ پر مدفون ہوئے۔

صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ قبر اُن کی دولت آباد میں مشہور ہے اور لوگ بطور تبرک اُس کی زیارت کیا کرتے ہیں۔

شہنشاہ اکبر کے عہد میں ملک الشعرا فیضی دکن تشریف لیگئے تھے اُنہوں نے خاندیس سے بادشاہ کے نام ایک طول طویل عرضداشت

زیارت سے فارغ ہوکر تالاب شمسی کے کنارے رونق افروز ہوئے اُس مقام پر امیر حسن شاعر جن کا سن اُس وقت پچاس برس سے زیادہ تھا اور جو ابتدائے حال میں حضرت سلطان المشائخ رح سے رابطۂ اتحاد اور مصاحبت کلی رکھتے تھے مع ایک جماعت یاروں کے مے نوشی میں مشغول تھے۔ جب حضرت کو دیکھا۔ آپ کے روبرو آئے اور یہ بیتیں پڑھیں ؎

سالہا باشد کہ ما ہم صُحبتیم	گر ز صحبتہا اثر بودے کجاست
زہد تاں فسق از دل ما کم نکرد	فسق مایاں بہتر از زہد شماست

حضرت سلطان المشائخ رح نے اِن بیتوں کو سُنکر ارشاد فرمایا کہ صحبت ہارا اثرہاست انشاء اللہ روزے بود۔ یہ جواب جادو کی طرح اُن کے دل پر اثر کرگیا فوراً سر برہنہ کرکے حضرت سلطان المشائخ رح کے قدموں پر رکھدیا اور جمیع مناہی سے تائب ہوکر مع اپنے رفقا کے مشرف بہ بیعت ہوئے اور ایسا مرتبہ پایا کہ مقبولان اور محبوبان حضرت سلطان المشائخ رح سے ہوکر زمرۂ اولیاء اللہ میں شامل ہوئے۔ تائب ہونے کے بعد آپ نے ایک غزل میں یہ بیت موزوں کی تھی۔ اور اس کو اکثر پڑھا کرتے تھے

اے حسن توبہ آنگہے کردی   کہ ترا طاقتِ گناہ نہ ماند

مولانا جامی رح نفحات الانس میں اور مولانا ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مکارم اخلاق اور محامد اوصاف اور لطافت وظرافت اور قناعت اور عقل و فہم اور روش صوفیہ اور پاکیزہ

دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ امیر حسن شعر میں امیر خسروؒ کا تتبع کرتے تھے اور اُن کا کلام بہت شیریں ہے اور اس زمانہ (سنہ ۹۵۷ھ) میں اُن کا دیوان عزیز و مکرم ہے۔ امیر حسنؒ خود فرماتے ہیں۔

حسن گلے ز گلستانِ سعدی آوردہ است	کہ اہلِ معنی گلچینِ آں گلستانند

اپنے اور امیر خسروؒ کے کلام کی نسبت فرماتے ہیں قطعہ

خسرو از راہ کرم بپذیرد	انچہ من بندہ حسن می گویم
سخنم چوں سخن خسرو نیست	سخن این ست کہ من می گویم

مختلف تذکروں سے امیر حسنؒ کا تھوڑا سا کلام انتخاب کرکے درج کیا جاتا ہے۔

غزل

ساقیا مے دہ کہ ابرے خاست از ساغر سفید	سر و را سر سبز شد صد برگ را چادر سفید
بادہ در جامِ بلوریں دہ مرا گر مے دہی	خواب می آید شرابِ لعل را ساغر سفید
ابر چوں چشمِ زلیخا بہر یوسف ژالہ بار	ژالہا چوں دیدۂ یعقوب پیغمبر سفید
عنکبوتِ غار را گفتم کہ ایں پردہ چہ بود	گفت مہمانِ عزیز آمد کہ کردم در سفید
اے حسن اغیار را ہرگز نباشد طبع راست	راست است ایں زاغ را ہرگز نباشد پر سفید

غزل

نیست چو رویت بہ گلستاں دگر	روے دگر باشد و بستاں دگر
یار چہ سخت ست دلِ کافرست	سخت دگر باشد و سنداں دگر
از تفِ عشقت جگرم پختہ شد	پختہ دگر باشد و بریاں دگر

بھیجی تھی اُس میں لکھتے ہیں۔ تربت میر حسن دہلوی در دولت آباد است غالباً ہمراہ سلطان علاؤ الدین آمدہ اینجا عمر مستعار بآخر رسانید بخاطر رسید کہ دیوانِ او کشودہ یک غزل تبرکاً و تیمناً تتبع نمودہ شود اتفاقاً این غزل آمد ؎

باز نوائے بلبلاں عشقِ تو یاد میدہد	ہر کہ بہ عشق نیست خوش عمر بباد میدہد

فیضی نے اس غزل کے تتبع میں جو غزل اِس موقع پر لکھی تھی اُسکا مطلع اور مقطع یہ ہے ؎

صبح کہ ترکِ مستِ من شیشہ کشاد میدہد	عقل بخاک میدہد صبر بباد میدہد
فیضی نامرادِ من از غمِ دہر غم مخور	زانکہ مرادِ اہلِ دل شاہ مراد میدہد

افسوس اور سخت افسوس ہے کہ اِس فاضل باکمال کی تصنیف و تالیف سے اب سوائے فوائد الفواد کے اور کوئی یادگار باقی نہیں۔ اُنکا دیوان بھی نہیں چھپا۔ نہ عام طور سے دستیاب ہوتا ہے۔ تذکروں اور تاریخوں میں بھی اُن کی غزلیں اور اشعار بہت کم پائے جاتے ہیں۔ فوائد الفواد میں حضرت سلطان المشایخؒ کے ملفوظات ۳ ر ماہ شعبان ؁۷۰۷ھ سے ۱۱ ر شعبان ؁۷۲۲ھ تک کے جمع کئے ہیں۔ اس کتاب کا اُردو میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے۔

صاحبِ سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ امیر خسروؒ فرمایا کرتے تھے کہ کاش فوائد الفواد میری طرف منسوب ہوتی اور میری تمام تصانیف امیر حسنؒ کے نام ہوتیں۔

بگوشِ مُدّعی کے جائے گیرد		مزامیرسے کہ ہست اندر مزامیر
	رباعی	
دارم دلکے غمگیں بیامرز و مپرس		صد واقعہ در کمیں بیامرز و مپرس
شرمندہ شوم اگر بپرسی علمم		اے اکرم الاکرمی بیامرز و مپرس
	دیگر	
یک حرفِ تو چل صباح عالم را نور		یک حرف تو ہشت خلدرا مایۂ حُور
حرفِ سیمیں چہل دلے را دستور		زاں چار چہار رکن عالم معمور

ملک سعد الدین منطقی

یہ سلطان جلال الدین خلجی کے مصاحبوں میں تھا۔ ابتدائے حال میں قلندری میں بسر کرتا تھا۔ بادشاہ نے جامۂ قلندری سے نکالکر امیر کبیر بنادیا۔ یہ اور عبید شاعر اُن لوگوں میں تھے کہ حسد کی آگ میں جل کر چاند پر خاک ڈالنے کی کوشش کرتے تھے اور اپنے کلام کو امیر خسروؒ کے کلام پر ترجیح دیتے تھے۔ افسوس ہے کہ باوجود تلاش ان کا کوئی کلام دستیاب نہیں ہوا۔

عبید

غیاث الدین تغلق کے عہد میں ایران سے ہندوستان میں وارد ہوا۔ شاہزادہ الغ خاں (محمدؒ تغلق) کی ملازمت میں نہایت اعزاز و اکرام سے بسر کرتا تھا لیکن نہایت بلند نظر۔ مغرور۔ بد دماغ اور بدنیت

غمزۂ خونخوار تو خونم بریخت گفت اگر عاشق مائی بمیر		غمزہ دگر باشد و پیکاں دگر شوق دگر باشد و قرباں دگر
چشم حسن بین و درو موج زن موج دگر باشد و طوفاں دگر		
کاریکہ بود باتو مرا بیشتر زرفت		سر رفت درہوائے تو ایں درد سرنرفت
مرا از زلف او موئے پسند است		فضولی میکنم بوئے پسند است
چہ لشکر میکشی برقلب عشاق		صف مغلوب راہوئے پسند است
گشتم زفرق تابقدم حلقہ چوں رکاب		آں شہسوار من قدم از من دریغ داشت
رسوا روند از سر کوئے تو زاہداں	وله	بر سر سبوئے بادہ بجائے عمامہا
تو آفتابی من صبح میتواں دانست	وله	کہ بے تو من نتوانم نفس برآوردن
ازخویش بروں رو۔ زدر دوست دروں آے	وله	تاگم نشوی گم شدۂ خویش نیابی
من بودم وکنجے وحریفے وسرودے	وله	غم راکہ نشاں داد بلا راکہ خبر کرد
مشکل سرو کارے ست کہ بروعدۂ معشوق	وله	صابر نتواں بود وتقاضا نتواں کرد
حسن دعائے تو گر نیست مستجاب مرنج	وله	ترا زبان دگر و دل دگر دعا چہ کند
چرخ را در اصل چوں خلقت کج است	وله	دور کج را فعل کج آید تراست
مور مسکیں ہوسے داشت کہ درکعبہ رسد	وله	دست برپائے کبوتر زد وناگہ برسید
نمیرفتم بلا شد بوئے زلفش	وله	خراب اندر پئے آں بوے رفتیم
عطار گو بہ بند دوکاں راکہ من زدوست	وله	بوئے کشیدہ ام کہ بمشک وعبیر نیست
زہے ترکے کہ از خمہائے ابرو	وله	کماں پیدا کند پنہاں زتدبیر

اُس نے ایک غزل لکھی تھی جو اُنیس[19] بحروں میں پڑھی جاتی تھی۔ اُس غزل کا مطلع یہ ہے ؎

دو دُر گوش وقد خوش و وخد خوب و خطر تر		فر تو فری پری و پرے وبا کرو فر

ان کے علاوہ امیر خسروؒ کے ہمعصر اور بھی بہت سے شاعر مثل تاج الدین عراقی اور مؤید جرجامی اور مؤید دیوانہ اور امیر ارسلان کلامی اور اختیار الدین باغی گذرے ہیں لیکن جس طرح کہ آفتاب و ماہتاب کی روشنی میں چراغ کی روشنی کو فروغ نہیں ہوتا اِسی طرح اُن کے مقابلہ میں کسی کے کلام کو فروغ نہیں ہوا اور نہ آج اُن کا کلام ملتا ہے۔ اکثر مؤرخین نے تو صرف یہ لکھ کر ٹال دیا ہے کہ امیر خسروؒ اور امیر حسنؒ کے علاوہ اور بھی شاعر اُس وقت میں صاحبِ دیوان تھے مگر اِن کے حال لکھنے کے بعد اُن کا ذکر کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

خاتمہ کتاب

(حافظ)	ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما	

اے شناورِ دریائے حقیقت و توحید والے بلبلِ گلستانِ چشت والے طوطئ بوستانِ نظامیہ۔ مجھے اوائلِ عمر سے آپ کے ساتھ جو محبت اور اعتقاد ہے اُس کے لحاظ سے میں نے اپنی ابساط کے موافق فارسی اُردو انگریزی کے بیش بہا اور لازوال خزانوں سے آپ کے کمالات کے خوش نما

تھا۔ اکثر علوم میں مہارت رکھتا تھا۔ لیکن طبیعت بیہودہ گوئی پر بہت راغب تھی۔ اپنے آپ کو امیر خسروؒ کا مدمقابل سمجھتا تھا۔ آپ کی نسبت اُس کا یہ شعر مشہور ہے ؎

غلط اُفتاد خسرو را ز خامی	کہ سکبا پخت در دیگِ نظامی

۷۲۱ھ / ۱۳۲۱ء میں جبکہ شاہزادہ الغ خاں قلعہ ارنکل کا محاصرہ کر رہا تھا کسی وجہ سے دہلی کی ڈاک آنے میں دیر ہوئی۔ عبید نے مفسدہ پردازی کی وجہ سے یہ خبر لشکر میں اُڑا دی کہ بادشاہ (غیاث الدین) کا انتقال ہوگیا۔ اس خبر سے تمام لشکر میں کھلبلی پڑگئی اور عبید مع چند دیگر سرداروں کے لشکر سے بھاگ گیا لیکن شاہزادہ نے بہت جلد گرفتار کراکر دہلی بھیج دیا۔ جہاں بادشاہ نے اُس کو قتل کرادیا۔

عبید کے کلام سے یہ رباعی اور غزل مشہور ہے۔ رباعی

اے خواجہ مکن تا بتوانی طلبِ علم	کاندر طلبِ راتبہ ہر روز بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز	تا دادِ خود از کہتر و مہتر بستانی

رسد بہ پشتی رویت جمالِ مہ بکمال	برو ز نکہتِ بویت صبا خبر بشمال
زند بہ تیر نظر غمزہ ات نشانۂ مہر	کشد بگوشۂ چشم ابروت کمانِ ہلال
توئی کہ آبِ حیات از لبت بود سائل	خوشا کسے کہ کند بالبت جواب و سوال
حرام گشتہ بغیر از عبید در عشقت	بشاعرانِ تخیل نمائے سحر حلال

قاضی مغیث ہانسوی

سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں ایک بڑا عالم فاضل تھا۔

اور

بارگاہِ ایزدی میں دست بہ دعا ہوں

کہ

آپ کے نام اور کلام کی برکت سے ان پراگندہ اوراق کو قبولیت عام کا اعزاز اور مجھ عاجز گنہگار کے نام کو آپ کے نامِ نامی کے طفیل میں بقائے دوام کا افتخار حاصل ہو اور انجام بخیر ہو۔

آمین یا رب العالمین

ضمیمہ

حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین محمد بدایونی قدس سرہ العزیز

تمہید

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور انبیائے عظام علیہم السلام کے ذکر کے بعد کوئی ذکر اولیائے کرام اور صوفیانِ عظام کے ذکر سے بہتر نہیں ہے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ عند الذکر الصالحین تنزل الرحمۃ یعنی اللہ تعالےٰ کی رحمت صالحین کے ذکر کے وقت نازل ہوتی ہے۔ مولانا سید عبدالواحد بلگرامیؒ فرماتے ہیں سہ

اے دل از اخلاق مرداں بہرہ مند ار نیستی	بارے اخلاقِ بزرگاں راز جاں تکرار کن

گوہروں کو چُن چُن کر ان اوراق پریشاں میں جمع کیا ہے۔ مگر میری بے بضاعتی اور کم علمی کی وجہ سے آپ کے اوصاف و کمالات کا سچّا اور خوشنما فوٹو مجھ سے نہ کھنچ سکا۔

اے جامع علوم ظاہری و باطنی و منبع کمالات صوری و معنوی

آپ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کی تعریف مجھ جاہلِ محض کے بیان کی محتاج نہیں ہے۔ آپ کے اخلاق اور اوصاف کی مجسم یادگاریں اور فخر کی دستاریں خود آپ کی تصنیفیں تالیفیں صفحۂ روزگار پر موجود ہیں اور قیامت تک موجود رہینگی۔

اے نخلبند بوستانِ سخن آرائی

آپ کا نام نامی میری طرف سے کسی شہرت کا محتاج نہیں ہے بلکہ خود آپ کے مضامین سحرآمیز کے خوشنما پھول اس گلشنِ دہر میں اپنے قدرتی اور لازوال جوبن کی بہار دکھا دکھاکر آپ کے نام نامی اور اسمِ گرامی کی شہرت اور عزت کا باعث ہیں۔

اے صدر آرائے مجالس فصحا

آپ کی نیک زندگی کے حالات لکھنے میں میری مثال مانند اُس بڑھیا کے ہے جو محض اپنے جوشِ عقیدت سے ایک پنڈیا سوت کی لیکر بازار مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خریداروں میں شامل ہوئی تھی۔ پس میں نہایت صدق دل اور عاجزی سے آپ کی پاک روح سے اپنی ناکامی اور درماندگی کی معافی چاہتا ہوں۔

حضرت سلطان المشائخ رح کا ذکر خیر

حضرت کا اسم مبارک نظام الدین محمدؒ اور آپ کے والد ماجد کا نام خواجہ سید احمدؒ ہے آپ سادات عظام حسینی سے ہیں۔ نسب شریف آپکا بعض کتب سیر میں اٹھارہ[۱۸] واسطہ سے اور بعض میں سولہ[۱۶] واسطہ سے حضرت شیر خدا علی کرم اللہ وجہہ سے اس طرح ملتا ہے۔

حضرت سید[۱] احمدؒ بن حضرت خواجہ سید[۲] علی الحسینی البخاری بن سید[۳] عبد اللہ بن سید[۴] حسن بن سید[۵] میر علی بن سید[۶] میر احمدؒ بن سید[۷] میر ابی عبد اللہ بن سید[۸] میر علی اصغر بن سید[۹] جعفر بن سید[۱۰] علی امام بن سید[۱۱] علی الہادی النقی بن سید[۱۲] امام محمد الجواد بن امام الاتقیا حضرت امام[۱۳] علی موسی رضا بن امام[۱۴] علی موسی کاظم الغیظ بن الامام الہمام حضرت جعفر[۱۵] صادق بن الامام محمد[۱۶] الباقر بن الامام علی حضرت[۱۷] زین العابدین بن الامام فی الارض والسماء سلطان الشہداء[۱۸] جناب حضرت امام حسین الشہید رضی اللہ عنہ ابن امام الاولیاء حضرت علی مرتضےٰ علیہم السلام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔

سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں آپ کے جدّ امجد حضرت خواجہ علی بخاریؒ اور جدّ مادری حضرت خواجہ سید عربؒ نے بخارا یا غزنی سے ہندوستان میں تشریف لاکر پہلے لاہور میں قیام کیا اسکے بعد بدایوں تشریف لائے اور وہیں سکونت اختیار کی اور دونوں بزرگوں

عِندَ ذِکرِ الصّالِحِینَ الحق نزولِ رحمت ست	ہر زماں ذکرِ جوانمردانِ دیں بسیار کن
گہ بدل برخوبی احوالِ شاں مشتاق باش	گہ زچشم از پاکی اخلاق اشک ایثار کن

حضرت شیخ الاسلام عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے اولیاء خدا کی باتیں یاد رکھو اور جو یہ بھی نہ ہو سکے تو اُن کے اسماء گرامی ہی یاد رکھو کہ یہی کافی ہیں۔

خود حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اے امیر خسروؒ ملفوظات مشائخ کو یاد کرو اور اُن کا ذکر کیا کرو کہ اُن سے دل کو کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ ہماری زبان اُردو میں حضرت سلطان المشائخؒ کی متعدد سوانح عمریاں اور ملفوظات شائع ہو چکے ہیں لیکن محض اِس سعادت ابدی اور دولتِ سرمدی کے حصول کی خواہش میں حضرت کا مختصر ذکرِ خیر ان پراگندہ اوراق میں تیمناً و تبرکاً تحریر کیا جاتا ہے کیا عجب ہے کہ یہ چشمۂ خیر اس ناچیز کتاب کے واسطے آبِ حیات کا باعث ہو اور اِسے مقبولیت عام اور بقائے دوام کا مرتبہ حاصل ہو اور یہی ذکرِ خیر قیامت کے دن اِس عاجز گنہگار بندۂ شرمسار کی بخشش کا وسیلہ ہو۔ بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم	بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

دعا

یارب اندر معصیت دارم باہل اللہ صفا	آں صفارا چارۂ عفوِ منِ بدکار کن
بر درِ مرداں کہ لَا خَوفٌ وَّ لَا ھُم یَحزَنُونَ	بندۂ مملوک آزاد از عذابِ نار کن
کسوتِ اہل از منِ نااہل تلبیس ست اگر	ہم تو بر مستہزئ موسیٰ پیمبر کار کن

(مولانا سید عبد الواحدؒ)

بندہ گنہگار عاجز و شرمسار

سعید مارہروی

غلہ لاکر میرے گھر میں دے گیا۔ چند روز متواتر اُس سے روٹی پکاکر
گذر کی میں تنگ آگیا کہ کب میری والدہ پھر یہ لفظ فرمائینگی کہ ما
مہمان خدائیم جب وہ غلہ تمام ہوا اور میری والدہ نے فرمایا کہ ما مہمان
خدائیم اُس وقت جو ذوق اور راحت مجھ کو پیدا ہوئی وہ بیان نہیں
ہوسکتی۔

جب حضرت سلطان المشائخؒ کی عمر پانچ برس کی ہوئی آپ کے
والد ماجد نے اِس دارفانی سے انتقال فرمایا۔ آپ کی والدہ ماجدہ
متکفل آپ کی پرورش اور تربیت کی ہوئیں اور مکتب میں برائے تعلیم
قرآن مجید و فرقان حمید بھیجنا شروع کیا۔ اوّل آپ نے خواجہ شادی
مقری بدایونی سے ایک پارہ قرآن شریف کا پڑھا۔ اِس کے بعد
مولانا سید علاؤ الدین اصولی اور مولانا کمال الدین سے علم ظاہری
حاصل کیا۔

ایک روز آپ کی والدہ ماجدہ نے علماء اور مشایخ شہر کی دعوت
فرمائی اور جلسہ دستار بندی فضیلت منعقد فرمایا۔ ایک پگڑی اپنے
دست مبارک سے سوت کاتکر آپ کی والدہ نے بنوائی تھی وہ پگڑی
ایک صاحب کمال درویش علی مولا نامی نے حضرت سلطان المشائخؒ
کے سر پر باندھی۔ حضرت نے اپنا سر مبارک علی مولا کے قدموں پر
رکھا۔ اُنھوں نے دعا دی کہ اللہ تجھ کو علمائے دین سے کرے۔

بیس۲۰ یا پچیس۲۵ برس کی عمر میں آپ مع اپنی والدہ ماجدہ کے

میں آپس میں قرابت پیدا ہوئی- یعنی خواجہ عربؒ نے اپنی دختر نیک اختر رابعۂ عصر بی بی زلیخا کی شادی خواجہ سید احمدؒ خلف خواجہ علیؒ کے ساتھ کی- خواجہ احمدؒ نہایت صالح متقی اور صاحب فضل و کمال تھے اُن کا مزار بدایوں میں ہے-

۶۳۴ھ ۱۲۳۶ء میں بروز آخری چہار شنبہ ۲۷ صفر کو بعد از طلوع آفتاب بطن حضرت بی بی زلیخا سے حضرت سلطان المشایخؒ پیدا ہوئے- مولانا جمالی صاحب سیر العارفین کیا خوب فرماتے ہیں ؎

آفریں از خدائے بر پدرے	کہ ازو ماند ایں چنیں پسرے
پدرے را کہ آنچناں خلف است	مادرے را کہ ایں چنیں پسرے
آفتابش بر آستین قبا است	ماہتابش بر آستان در است

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی زلیخا کاملۂ روزگار اور رابعہ عصر تھیں- اخبار الاخیار اور فوائد الفواد میں خود حضرت سلطان المشایخؒ سے منقول ہے کہ والدہ مارا با خدائے آشنائی بود یعنی اُن کو اللہ تعالیٰ سے دوستی تھی- یہ بھی آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب میری والدہ ماجدہ کو کوئی حاجت پیش آتی تو پانچ سو بار درود شریف پڑھتیں اور دامن مبارک اپنا پھیلا کر دعا مانگتیں وہ دعا مقبول ہوتی تھی جس دن گھر میں غلہ موجود نہ ہوتا تھا تو جب میں گھر میں جاتا مجھ سے فرماتیں نظام الدین امروز ما مہمانِ خدائیم- مجھ کو یہ سخن بہت پیارا معلوم ہوتا تھا ایک روز میں اِسی سخن کے ذوق میں تھا کہ اتفاقاً ایک مرد ایک تنگہ کا

خالی نہیں رہتیں۔ میں ایک عرصہ تک وہاں رہا۔ بعدہٗ روانہ ہوکر پاک پٹن میں آیا اور وہاں زیارت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہٗ سے مشرف ہوا۔ آپ اس قدر باعظمت اور ہیبت ہیں کہ حال شریف آپ کا اور درویشانِ خانقاہ کا میں بیان نہیں کرسکتا۔ آپ کی ذات ایک عجب دریائے فیض ہے کہ آنے والا کیسا ہی بدبخت ہو خانقاہ مبارک سے محروم نہیں جاتا۔ بمجرد استماع ان حالات کے حضرت سلطان المشائخؒ کو عشق غائبانہ حضرت بابا خواجہ فرید الدین شکر گنجؒ کا پیدا ہوگیا اور اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے آپ ہی کا خیال دل میں رہنے لگا۔ جب آپ بدایوں سے دہلی تشریف لائے۔ اتفاق سے آپ جس حجرہ میں مقیم تھے اُسی کے قریب حضرت شیخ نجیب الدین متوکل قدس سرہٗ کا جو چھوٹے بھائی بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے تھے مکان تھا۔ وہ نہایت درجہ کے صاحب باطن اور عالم صوری و معنوی تھے۔ حضرت سلطان المشائخؒ بہ حسن عقیدت اکثر آپ کی خدمت میں نشست و برخاست رکھتے تھے۔ رفتہ رفتہ فیمابین بہت محبت اور اتحاد بڑھ گیا۔ ایک دن آپ نے اُن سے فرمایا کہ آپ میرے واسطے دعا فرمائیں کہ میں کسی جگہ کا قاضی ہوجاؤں تاکہ خلق خدا کے مقدمات و معاملات کو انصاف سے فیصل کیا کروں۔ یہ سنکر حضرت نجیب الدینؒ ساکت ہوئے اور کچھ جواب نہ دیا۔ آپ یہ سمجھے کہ شیخ نجیب الدینؒ نے نہیں سنا۔ پھر باواز بلند کہا التماس فاتحہ کی رکھتا ہوں۔ اس مرتبہ شیخ نجیب الدین متوکلؒ نے

دہلی تشریف لائے اور ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں سکونت اختیار کی۔ اُس وقت دہلی میں ایک فاضل متبحر خواجہ شمس الدین خوارزمی تھے اُن کے حلقۂ درس میں آپ نے شامل ہوکر مقامات حریری کے چالیس مقامے پڑھے اور علمِ حدیث کی سند حاصل کی۔

صاحبِ تاریخ فرشتہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے اور ہمیشہ آپ کا دل انوار منزل کتب معتبرہ تصوف مثل نصوص الحکم اور مواقع النجوم اور اُن کی شرحوں کے مطالعہ کی طرف مائل تھا۔ فقہ حنفی اور تفسیر و حدیث اور اصول کلام میں آپ مہارت تمام رکھتے تھے۔

منقول ہے کہ جس زمانہ میں کہ عمر شریف آپ کی بارہ برس کی تھی اور آپ بدایوں میں کتب لغت پڑھتے تھے ایک قوال ابوبکر ناجی ملتان سے آپ کے اُستاد کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال بیان کرنا شروع کیا کہ میں نے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی مجلس میں راگ گایا اور یہ شعر پڑھا ؎ قد لسعت حیة الهوی کبدی (ہر آئینہ ڈسا ہے مارعشق نے میرے جگر کو) مصرع دوم اُس کو اُس وقت یاد نہ آیا جبکو آپ نے یاد دلایا وہ یہ حال دیکھکر آپ کی جانب مخاطب ہوا اور آپ سے اپنے سفر اور خانقاہ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے حالات بیان کرنا شروع کئے اور کہا کہ خانقاہ شیخ موصوف میں ہر شخص ذاکر ہے حتیٰ کہ لونڈیاں جو آٹا گوندھتی ہیں ہنگام مشت زنی بھی ذکر اور شغل سے فارغ اور

دہشت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی غالب آئی۔ آپ نے روشن ضمیری سے واسطے رفع ہیبت کے فرمایا کہ جائے دہشت اور مقام خوف نہیں ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ	سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس روز حضرت سلطان المشائخ رح شرف بیعت حضرت شیخ شیوخ العالم سے مشرف ہوئے آپ نے خدمت مرشد میں عرض کی کہ اگر حکم صادر ہو تو میں ترک تعلیم کر کے اوراد و نوافل میں مصروف ہوں آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم و تعلم سے منع نہیں کرتا یہ بھی کرو اور وہ بھی کرو۔ غالب اپنے مغلوب کو آپ ترک کرادیگا۔ درویش کو کسیقدر علم ضرور ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد آپ خانقاہ مبارک میں مصروف عبادت ہوئے اور طریقہ مجاہدہ اور ریاضت کا اختیار کیا۔ آٹھ ماہ کے بعد ۲ ربیع الاول ۶۵۶ھ کو حضرت بابا فرید الدین شکر گنج رح نے دستار مبارک حضرت خواجہ قطب الدین اوشی بختیار کاکی رح کی اپنے سر پر سے اُتار کر حضرت سلطان المشائخ رح کے سر پر رکھ دی اور عصا مرحمت فرماکر خرقہ خواجگان چشت رحمۃ اللہ علیہم جو سلسلہ بہ سلسلہ چلا آتا تھا اپنے دست مبارک سے حضرت سلطان المشائخ رح کو پہنایا اور فرمایا کہ نماز دوگانہ شکرانہ ادا کرو۔ اس کے بعد سند خلافت حضرت شیخ بدر الدین اسحٰق رح سے لکھوا کر اپنے دست مبارک سے عطا فرمائی اور

فرمایا کہ انشاء اللہ تعالےٰ تو قاضی نہ ہوگا لیکن وہ ہوگا جو میں جانتا ہوں۔ اس کے بعد ایک شب کو جبکہ آپ جامع مسجد دہلی میں تھے صبح کی نماز کے وقت آپ نے سنا کہ مؤذن نے منارہ پر یہ پڑھا۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ کیا وقت نہیں پہنچا ایمان والوں کو کہ گڑگڑائیں اُن کے دل اللہ کی یاد سے۔ یہ سنتے ہی آپ کا حال متغیر ہوا اور نور الٰہی نے آپ کو گھیر لیا۔ چونکہ اُس زمانہ میں خواجہ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کی مشیخت اور کرامت کا شہرہ عالمگیر ہو رہا تھا۔ اور پہلے ہی سے حضرت کے غائبانہ عشق میں آپ مبتلا تھے۔ صبح ہوتے ہی بغیر سواری اور زاد راہ کے انتظام کے آپ پاک پٹن کی طرف روانہ ہوئے۔ راحت[1] القلوب میں آپ خود تحریر فرماتے ہیں۔ کہ بتاریخ ۱۰ ماہ رجب المرجب ۶۵۵ھ ہجری بروز چہار شنبہ مجھے سعادت قدمبوسی حضرت سید العابدین سند العارفین کی حاصل ہوئی آپ نے نہایت مہربانی اور شفقت فرمائی اور خرقہ اور نعلین چوبی (کھڑاویں) مرحمت فرمائیں اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میرا ارادہ ولایت ہند کسی دوسرے شخص کو تفویض کرنے کا تھا مگر تم راستہ میں تھے کہ مجھ پر الہام ربانی ہوا کہ یہ نظام الدین کا حق ہے جب وہ حاضر ہو اُسے عنایت کرنا چاہئے۔ میں یہ سنکر قدمبوس ہوا اور اُس شوقِ ملازمت کا حال بیان کرنا چاہا جو مجھے واسطے حضوری کے تھا الاّ زبان نے یاری نہ دی اور

[1] راحت القلوب۔ اس کتاب میں حضرت سلطان المشائخؒ نے ملفوظات اپنے پیر بابا فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے جمع فرمائے ہیں ۱۲

کی بات ہے کہ خلق سے گوشہ گیر ہوکر حق سے مشغول ہوں بلکہ مردوں کا یہ کام ہے کہ باوجود کثرت آمد و رفت خلائق حق سے مشغول رہیں۔ جب وہ خاموش ہوا میں نے کسی قدر طعام جو موجود تھا اُن کے روبرو رکھا اُنھوں نے نہیں کھایا۔ میں نے اُسی وقت دل میں نیت کی کہ یہیں رہونگا۔ جسوقت میں نے یہ نیت کی اُنھوں نے ہاتھ کھانے میں ڈالا اور کسی قدر تناول فرمایا اور پانی پیا اور چلے گئے۔ بعد اِس واقعہ کے میں نے اُن کو کبھی نہیں دیکھا۔

اسی عرصہ میں امیر خسروؒ مع اپنے بھائیوں اعز الدین علی شاہ اور حسام الدین کے حضرت کے مریدوں میں داخل ہوئے اور خاص و عام بجانب حضرت کے رجوع لائے اور دروازے فتوح کے مفتوح ہوئے کہ ایک عالم نے اُس سے فائدہ اُٹھایا۔ لیکن باوجود اِس شوکت و عظمت کے ریاضت اور مجاہدہ آپ کا اِس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ہرروز روزہ رکھتے اور وقت افطار بہت تھوڑا کھانا تناول فرماتے اور سحری بھی نہ کھاتے تھے۔ اہل خانقاہ نے کئی مرتبہ عرض کیا کہ آپ کھانا بہت کم کھاتے ہیں اور سحری بھی تناول نہیں فرماتے۔ اِس سبب سے آپ کی قوت بہت کم ہوجاویگی۔ آپ یہ سنکر رو پڑے اور فرمانے لگے کہ بہت سے درویش اور مساکین مساجد اور دوکانوں کے گوشوں میں بھوکے پیاسے فاقہ زدہ پڑے ہوئے ہیں اُن کا یہ حال ہو اور میں شکم سیر ہوں۔ اس حالت کی یاد آوری سے کھانا میرے حلق کے نیچے نہیں اُترتا۔ ایسی ہی باتیں

بغلگیر ہوکر ارشاد فرمایا کہ جاؤ خدا کو سونپا۔ حضرت سلطان المشایخؒ حسب الحکم مرشد کامل کے پاک پٹن سے دہلی تشریف لائے اور حضرت نجیب الدین متوکلؒ سے سب حالات وہاں کے بیان فرمائے۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ اِس کے بعد آپ آبادی سے دور ایک غیر معروف جگہ غیاث پور میں سکونت پذیر ہوکر یادِ الٰہی میں مشغول ہوئے۔ جب ۶۸۵ھ ہجری میں سلطان معزالدین کیقباد نے موضع کیلو گڑھی میں جو نزدیک موضع غیاث پور کے تھا قصر شاہی اور قلعہ تعمیر کراکر شہر آباد کیا اور جامع مسجد بنائی اُس وقت سے ایک انبوہ کثیر آپ کے پاس آنے جانے لگا۔ خود آپ سے منقول ہے کہ جب خلق کا مجھ پر ہجوم ہوا اور آمد رفت اُمرا اور ملوک بہ کثرت ہونے لگی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اِس جگہ سے چلا جانا مناسب ہے۔ اسی اندیشہ میں تھا کہ اُسی روز عصر کے وقت ایک جوان صاحب جمال بغایت نحیف البدن آیا اور مجھے دیکھتے ہی یہ اشعار زبان پر لایا ؎

آں روز کہ مہ شدی نمیدانستی	کانگشت نمائے عالمے خواہی شد
امروز کہ زلفت دلِ خلقے بربود	درگوشہ نشستنت نمی دارد سود

اِس کے بعد یہ بات کہی کہ آدمی کو اوّل مشہور نہ ہونا چاہیئے اور جس وقت مشہور ہوا پھر اُسے گمنام ہونے کا خیال نہ کرنا چاہیئے۔ ورنہ فردائے قیامت حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو شرمندہ ہونا ہوگا۔ اس کے بعد کہا کہ کس قدر پست ہمتی اور کم حوصلگی

بابا صاحب نے آپ کے پاجامہ کی طرف نظر کی تو وہ بہت بوسیدہ اور پھٹا ہوا معلوم ہوا۔ حضرت بابا صاحب نے اپنے گھر میں سے اپنا پاجامہ طلب فرماکر آپ کو عنایت فرمایا اور کہا کہ اس کو پہن لو آپ نے کمال خوشی سے اسی وقت اپنے پاجامہ پر اس کو پہن لیا لیکن جب کمربند باندھتے تھے تو وہ کھل جاتا تھا۔ حضرت بابا صاحب نے فرمایا کہ اچھی طرح باندھو آپ نے فرمایا کہ کس طرح باندھوں۔ فرمایا کہ ایسا باندھو کہ پھر حوروں کے واسطے بھی نہ کھلے۔ آپ نے سر قدموں پر رکھکر قبول کیا اور بتوفیق الٰہی آخر عمر تک مجرد رہے اور مباشرت نہیں فرمائی۔

منقول ہے کہ خانقاہ عالی میں دو ہزار تنگہ روزانہ خرچ مطبخ اور خیرات فقرا و مساکین وغیرہ میں اٹھتا تھا۔ روزانہ جس قدر نذر و نذرانہ آتا تھا سب فقراء اور مساکین پر تقسیم کردیا جاتا تھا۔ ایک روز سلطان علاء الدین خلجی نے ایک مندیل زر و جواہر سے مملو کرکے برسم نذر حضرت سلطان المشایخ رح کے پاس بھیجی۔ اس وقت ایک قلندر اسفندیار نام حضرت کے پاس بیٹھا تھا۔ دور سے اس کی نگاہ اس پر پڑی اور اسے دیکھکر حضرت کی طرف مخاطب ہوکر کہا۔ ایہا الشیخ ہدایا مشترک۔ آپ نے ازراہ ظرافت جواب دیا اما تنہا خوشترک قلندر نے مایوس ہوکر اٹھنا چاہا آپ نے فرمایا کہ تنہا خوشترک سے میرا یہ مقصود تھا کہ تنہا تجھے مبارک ہو۔ یہ فرماکر تمام زر و جواہر اس قلندر کو بخشا۔ اس سے تنہا

فرماکر آپ زار زار رونے لگتے اور لوگ مجبور ہوکر دستر خوان سامنے سے بڑھا لیتے تھے۔

مجاہدہ اور روزہ کی نسبت آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ ہنگام سفر کشتی میں تنہا حضرت بابا فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا۔ آپ نے مجھ سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ دہلی میں بیکار رہنا اچھا نہیں ہے۔ مجاہدہ اختیار کرنا روزہ ہمیشہ رکھنا کیونکہ روزہ نصف راہ دین ہے اور دیگر اعمال نصف راہ دیگر۔

منقول ہے کہ آپ شب کو حجرہ خاص کا دروازہ اندر سے بند فرمالیتے تھے اور تمام شب راز و نیاز میں مشغول رہتے تھے۔ جب صبح کے وقت دروازہ کھولتے تو بوجہ شب بیداری چشم مبارک سرخ ہوتی تھیں۔ اُس وقت جس کی نظر آپ کے جمالِ مبارک پر پڑتی وہ یہی تصور کرتا تھا کہ ایک مست و مخمور ہیں۔ امیر خسروؒ اسی ضمن میں کیا خوب فرماتے ہیں

توشبینہ می نمائی ببر کہ بودی امشب ۔۔۔ کہ ہنوز چشمِ مستت اثرِ خمار دارد

حضرت سلطان المشایخؒ کو سماع سے بہت رغبت تھی۔ دوسو قوال جن کا سردار امیر حسن قوال تھا آپ کی خانقاہ کے وظیفہ خوار تھے۔ امیر خسروؒ اور خواجہ حسن بھی کہ علم موسیقی میں عدیم المثال تھے مجلس سماع میں نہایت خوش الحانی سے گاتے تھے۔

منقول ہے کہ جس زمانہ میں حضرت سلطان المشایخؒ اپنے پیر حضرتِ بابا فرید شکر گنجؒ کے حضور میں حاضر رہتے تھے ایک مرتبہ حضرت

آپ جوارِ رحمتِ حق میں داخل ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون

منقول ہے کہ حالتِ بیماری میں اکثر آپ بیہوش ہو جاتے تھے۔ جب ہوش آتا ارشاد فرماتے کہ میں نے نماز پڑھ لی ہے یا نہیں اگر کہا جاتا کہ آپ ادا فرما چکے ہیں تو آپ ارشاد فرماتے کہ ایک مرتبہ اور پڑھ لوں۔ اسی طرح ایک وقت کی مکرر سہ کرر نماز ادا فرماتے تھے اور اکثر یہ مصرعہ وردِ زبان رہتا تھا۔

میرویم و میرویم و میرویم

مزار مبارک آپ کا مرجع حاجات خلائق اور زیارت گاہ خاص و عام موجودہ دہلی سے تین کوس جانب دکن واقع ہے یہ مقام حضرت کی زندگی میں غیاث پور کے نام سے مشہور تھا اب آپ کی درگاہ عالی کے باعث درگاہ نظام الدین کے نام سے موسوم ہے۔

یہ قطعہ تاریخ وصال کسی نے خوب موزوں کیا ہے جو درگاہ میں دیوار مسجد پر کندہ ہے ؎

نظامِ دو گیتی شہِ ما وطیں		سراجِ دو عالم شدہ بالیقیں
چو تاریخ فوتش بجستم ز غیب		ندا داد ہاتف شہنشاہِ دیں

حضرت کے بہت سے خلیفہ ایسے ہیں کہ جو اولیاء اللہ میں شمار ہوتے ہیں اور اُن سے بے شمار فیض جاری ہوئے ہیں لیکن سب سے مشہور فاضل اور کامل یہ بزرگوار ہیں ۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ حضرت امیر خسروؒ حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ حضرت خواجہ حسن علاء سنجری دہلویؒ مولانا فخر الدین زرادیؒ ۔ مولانا علاؤ الدین نیلیؒ ۔ مولانا شمس الدین یحییٰؒ ۔۔ مولانا حسام الدین ملتانیؒ ۔ مولانا سراج الدین عثمانؒ ۔ شیخ قطب الدین منورؒ مولانا وجیہہ الدین پائلیؒ

نہ اُٹھ سکا اور خانقاہ کے خادموں نے اُس کی مدد کی۔

حضرت سلطان المشایخ رح سے اس قدر کرامات اور خوارق عادات منسوب ہیں کہ اگر مختصر بھی بیان کئے جاویں تو ایک ضخیم کتاب طیار ہوجاے افسوس ہے کہ اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔جن صاحبون کو شوق ہو وہ سیر الاولیا۔سیر العارفین۔راحت المحبین۔افضل الفوائد۔اخبار الاخیار اور دیگر کتب سیر میں ملاحظہ فرماویں۔

منقول ہے کہ آپ نے رحلت فرمانے سے چالیس روز پیشتر کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔آٹھ مہینے سے آپ کو بول و براز نہیں ہوتا تھا۔ایک روز اقبال اپنے خادم کو روبرو بلاکر فرمایا کہ جو کچھ اسباب نقد و جنس ہماری ملکیت سے ہے وہ سب حاضر لاؤ کہ ہم مستحقین کو تقسیم کردیں۔ خواجہ اقبال نے عرض کیا کہ جو کچھ فتوح میں اسباب آتا ہے وہ اُسی دن صرف ہوجاتا ہے۔البتہ چند ہزار من غلہ کا انبار ہے کہ جو روزانہ خرچ لنگر میں صرف ہوتا ہے۔آپ نے فرمایا کہ اُس کو کس واسطے رکھا ہے اُسے بھی جلد باہر نکالو اور مستحقین کو تقسیم کرو۔غرضکہ اُسی وقت تمام غلہ اور اسباب لٹوا دیا۔ اور بعد نماز ظہر بدھ کے دن حضرت شیخ نصیر الدین محمود رح کو طلب فرماکر خرقہ اور عصا اور مصلا اور تسبیح اور کاسۂ چوبی جو اپنے پیر سے ملا تھا عطا فرمایا اور کہا کہ تم کو یہیں دہلی میں رہکر زمانہ کے جور و جفا پر صبر کرنا چاہئے۔اس کے بعد نماز عصر آپ نے ادا فرمائی اور تھوڑی دیر بعد تاریخ ۱۸ ربیع الثانی[۱] ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء کو ۹۴ برس کی عمر میں

[۱] حضرت امیر خسرو رح نے جو مرثیہ لکھا ہے اُس میں یہ بیت تاریخ وصال میں تحریر فرمائی ہے ؎
ربیع دوم و ہژدہ زمہ درابر رفت آں مہ + زمانہ چوں شمار بیست داد و پنج و ہفصد را

ضمیمہ نمبر ۲

اگرچہ حیات خسرو میں بسنت کے میلے۔ اور امیر خسروؒ کے مقبرہ کا مجمل حال تحریر ہو چکا ہے۔ مگر چھپنے کے بعد یہ دونوں حال مفصل طور سے دستیاب ہوئے جو ذیل میں بطور ضمیمہ درج کئے جاتے ہیں۔

مسلمانوں میں بسنت

جس طرح ایران و توران اور خراسان وغیرہ میں بہار کا موسم دلوں کو شگفتہ کرتا ہے اور اُس میں طرح طرح کی رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں اس موسم میں فصل بہار کے قدرتی جوبن سے اہل ہند کے دلوں میں ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور اس موقع پر بسنت کا تیوہار جو بسنت پنچمی کے نام سے مشہور اور موسم بہار کی ابتدا میں جب ماگھ کے مہینے میں دس دن باقی رہجاتے ہیں منایا جاتا ہے بسنت ہی سے ہولی کے مستانہ تیوہار کے رنگ اُڑنے۔ پچکاریاں چھٹنے۔ گلال کے قمقمے چلنے۔ لوگوں کے جھوم جھوم کر مستانہ چال سے گانے بجانے کی ابتدا شروع ہو جاتی ہے۔ اُس دن راجہ۔ مہاراجہ بسنتی پوشاک زیب بدن کر کے دربار کو سجا کے خوشیاں مناتے ہیں۔ عوام الناس جنگلوں میں جا کر سرسوں کے بسنتی پھول اور سبزے کی قدرتی آرائش کا نہایت ذوق و شوق سے نظارہ کرتے ہیں۔ مالنیں سرسوں کے پھول اور گیہوں وغیرہ کی بالین ہر گھر میں پہنچاتی ہیں۔ مختلف شہروں قصبوں میں میلے ہوتے ہیں جن میں زن و مرد بسنتی کپڑے پہن کر شریک ہوتے ہیں۔ غرضکہ بسنت پنچمی کے دن جدھر دیکھو بسنتی سماں ہی نظر آتا ہے۔

جب ایسی دو قومیں جن کی طرز معاشرت رسم و رواج ایک دوسرے سے بالکل

امیر خسروؒ حضرت کے مریدوں کی نسبت کیا خوب فرماتے ہیں۔

واں مریدانِ رہروانِ یقیں	ہریکے والیٔ ولایتِ دیں
ہمہ شیطاں کش و فرشتہ خدم	در رہش بر ہوا نہادہ قدم
زندہ دارِ شب از دمِ تسبیح	غلغل افگندہ در رواق مسیح
ہر سو از شینِ شرع ساختہ تاج	دلِ شاں عرش و سجدہ شاں معراج
ملکِ وحدت بنام ایشان ست	بندہ خسرو غلام ایشان ست
نام من زاں ستودہ کیشاں باد	حشرِ من درمیانِ ایشاں باد

حضرت امیر خسروؒ نے حضرت سلطان المشایخؒ کی مدح اور شان میں اس قدر فرمایا ہے کہ اگر سب کو یکجا جمع کیا جاوے تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب طیار ہوجاوے۔ اس میں سے تبرکاً وتیمناً کچھ حصہ باب دوم میں نقل کیا گیا ہے اور چند اشعار اِس مقام پر بھی درج کئے جاتے ہیں

قطعہ

قطبِ عالم نظامِ ملت و دیں	کافتابِ کمال شد رُخِ او
وز جنید و ز شبلی و معروف	یادگارے است ذاتِ فرخِ او
شیخ ایشاں اگر چنیں بودند	ورنہ بودند ایں چنیں شیخِ او

مثنوی

غوثِ عالم نظام ملت و دیں	قطب ہفت آسمان و ہفت زمیں
رہبرِ پیش بیں محمد نام	زدہ پے بر پئے محمد گام

"بایدکہ ہرچہ برتو رسد نگاہ نہ داری و آن را بجز بج رسانی اگر برتو چیزے نباشد ہیچ دل خود را نگراں نداری کہ خدا ترا نخواہد داد و ہیچ کسے را بد نخواہی و از خدا ہم یکے را بد نخواہی و جفا را بعطا بدل کنی و دیہ و ادرار نستانی کہ درویش قرار دارد و ادرار خوار نباشد۔ اگر تو چنیں باشی بادشاہاں بر در تو آیند"۔

حضرت سلطان المشائخ رح کو اس صاحبزادے کے انتقال سے ایسا صدمہ ہوا کہ عالم سکوت کا طاری ہوگیا یہاں تک کہ اس صدمہ کی وجہ سے چھ ماہ تک آپ نے تبسم نہیں فرمایا۔ حضرت کے یاران اور مریدان جان نثار کے علاوہ تمام دہلی میں ان صاحبزادے کے انتقال سے عام ماتم اور کہرام تھا خصوصاً حضرت امیر خسرو رح کو علاوہ اپنے رنج و صدمہ کے حضرت سلطان المشائخ کے اس صدمہ اور سکوت کی وجہ سے کسی وقت قرار نہ تھا۔ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتے تھے کہ کوئی سامان حضرت کی شگفتگی اور غم غلط ہونے کا پیدا کیا جاوے۔ ایک دن وہ مع اپنے چند دوستوں کے جنگل کی سیر کرتے پھرتے تھے۔ بہار کے خوش نما موسم کا آغاز تھا۔ ہرے ہرے کھیتوں میں سرسوں کے زرد پھول بہار دکھا رہے تھے۔ سامنے پہاڑی پر کالکاجی کا مندر تھا بسنت پنچمی کا دن تھا مندر پر میلہ لگا ہوا تھا اور مورت پر سرسون کے پھولوں کا مینہ برس رہا تھا اور اکثر لوگ عجیب خود رفتگی سے ترانے الاپ رہے تھے۔ جب امیر خسرو رح نے یہ حال دیکھا اس خوش نما سین کا ان کے دل پر بہت بڑا اثر پڑا۔ اسی وقت فارسی اور ہندی کے چند شعر موزوں کئے۔ جنگل سے سرسوں کے پھول توڑے اور پگڑی کو ذرا کج کر کے اس طرز سے باندھا کہ مستانہ شان معلوم ہوتی تھی۔ اسی ہیئت سے ان اشعار کو پڑھتے ہوئے حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

مختلف ہوں باہم ملتی ہیں تو ہر وقت کے ایک جگہ کے رہنے سہنے۔ ملاقات و محبت سے ایک کے رنگ اور روپ کا سایہ دوسرے پر پڑنا ضروری بات ہے۔ چنانچہ ہندو مسلمانوں کے مدتوں کے میل جول نشست و برخاست سے ایک دوسرے کی گفتگو۔ لباس خوراک۔ مختلف رسومات وغیرہ پر بھی بہت بڑا اثر پڑا۔ جس کا اندازہ عام طور سے محسوس ہوتا ہے۔

یہ امر تو تاریخ سے ثابت ہے کہ مسلمانوں میں بسنت کے میلے نے ہندوستان کے بلبل ہزار داستاں حضرت امیر خسروؒ کی زندہ دل اور جدت پسند طبیعت سے رنگ پکڑا ہے۔ لیکن تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کی ابتدا کس طرح سے شروع ہوئی۔ اس کی نسبت جناب حسن نظامی صاحب خواہر زادہ حضرت سلطان المشائخؒ نے غالباً زبانی خاندانی روایت کی بنیاد پر پیسہ اخبار لاہور مورخہ ۱۳ فروری سنہ ۱۹۰۸ء میں ایک مضمون تحریر فرمایا ہے۔ جسے خفیف کمی و بیشی کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ساتویں صدی کے اختتام پر حضرت سلطان المشائخؒ کے حقیقی بھانجے مولانا تقی الدین نوح نے جو چھوٹے بھائی خواجہ رفیع الدین ہاروں کے تھے عین عنفوان جوانی میں بعارضۂ دق اس دار ناپائدار سے انتقال فرمایا۔ حضرت سلطان المشائخؒ کو اپنے اس لائق ہونہار اور سعید و صالح بھانجے سے بہت اُلفت تھی۔ صاحب سیر الاولیا کا بیان ہے کہ حالتِ زندگی مولانا تقی الدین نوح میں ایک مرتبہ حضرت سلطان المشائخؒ سخت بیمار ہوئے اور حالتِ بیماری میں آپ نے مولانا کو اپنے روبرو طلب فرماکر بہت سے درویش اور مشائخین کے روبرو خلافت عطا فرمائی اور حسب ذیل وصیت کی

تعمیر مقبرہ امیر خسروؒ

امیر خسروؒ کی وفات کے ایک سو بہتر برس تک اُن کے مزار پر کوئی عمارت نہیں تھی۔ سب سے پہلے ۸۹۷ھ ۱۴۹۱ء میں مہدی خواجہ نے مزار کے گرداگرد عمارت جالی دار سنگ سرخ سے تعمیر کراکر لوح مزار پر حسب ذیل کتبہ کندہ کرایا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

زمیں را ازیں لوح شد سرفرازی ‫ ‫ ‫ بہ دوران بابر شہنشاہ غازی

تاریخ وفات

میر خسرو خسروِ ملکِ سخن الخ (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۶ کتاب ہذا)

بیت

زحرفِ وصلِ جاناں سادہ آمد لوحِ خاکِ من ‫ ‫ ‫ طریقِ سادہ لوحی بس نشانِ عشقِ پاکِ من

تاریخ بنا

مہدی خواجہ سید با جاہ و جلال ‫ ‫ ‫ شد بانئ ایں اساس بے شبہ و مثال

گفتم سعی جمیل مہدی خواجہ ‫ ‫ ‫ تاریخ بنائے ایں چو کردند سوال

حررہ شہاب الدین المعمائی الہروی

اسکے بعد شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں امیر خسروؒ کے انتقال کے دوسو نوے برس بعد محمد عماد حسن ابن سلطان علی سبزواری الملقب بہ طاہر بیگ نے جو امرائے جہانگیری سے تھا ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء میں اُن کا مقبرہ سنگ مرمر سے تعمیر کراکر گنبد کے اندر اشعار اور عبارت ذیل منقوش کرائی۔

اے خسروِ بے نظیر عالم ‫ ‫ ‫ با روضۂ تو مرا نیاز است

تعمیر نمود طاہر آں را ‫ ‫ ‫ فیضِ ازلی ہمیشہ باز است

تاریخ بنالیش عقل گفتا ‫ ‫ ‫ بارو ضہ بگو کہ جائے آز است

قایل ایں کلام و بانئ ایں مقام طاہر محمد عماد حسن ابن سلطان علی سبزواری فی سنہ ۱۰۱۴ غفر ذنوبہ وستر عیوبہ۔ الکاتب عبدالنبی ابن ایوب۔

ابیات

اے شربتِ عاشقی بجامست الخ
مرا نامِ نیک است و خواجہ عظیم الخ
(ملاحظہ ہو صفحہ ۶۳ کتاب ہذا)

حضرت سلطان المشایخ اُس وقت حسب دستور مرحوم خواہرزادہ کے مزار پر تشریف لائے تھے اور قریب ہی ایک برج میں رونق افروز تھے۔ آپ امیر خسروؒ کی یہ مستانہ ادا دیکھکر اور فارسی اور ہندی کے اشعار اس رنگ میں سنکر بہت محظوظ ہوئے اور کامل چھہ مہینے کے بعد تبسم فرمایا۔ اُس دن سے آج تک بسنت پنچمی کے دن جب ہندو کالکاجی کے مندر پر جاتے ہین تو دہلی اور قرب وجوار کے خاص اور ممتاز صوفی چند قوالون کو لیکر سرسوں کے پھول ہاتھ میں لئے اشعار پڑھواتے ہوئے اوّل اُس مقام پر جہاں حضرت سلطان المشایخ اُس دن تشریف رکھتے تھے جاتے ہیں۔ اسکے بعد آپ کے خواہرزادہ مولانا تقی الدین نوح کے مزار پر ہوتے ہوئے حضرت کے روضۂ اقدس پر آتے ہیں۔ کسی قدیمی کتاب میں وہ اشعار درج نہیں ہیں صرف ایک شعر فارسی اور چند ٹھمریاں ہندی کی قوالوں کی زبان پر باقی رہ گئی ہیں۔ وہ شعر یہ ہے۔

	اشک ریز آمدہست ابر بہار		ساقیا گل بریز و بادہ بیار	

قوال ہندی کی ٹھمریوں کو پڑھ پڑھ کر اسی شعر کو بار بار دوہراتے ہیں۔ ہندی میں عرب یار توری بسنت منائی بہت موثر ہے۔

اصل واقعہ تو یہ ہے لیکن دہلی میں پندرہ دن مختلف درگاہوں پر بسنت کے اسلامی میلے نہایت دہوم دہام اور ناچ رنگ کے جلسوں سے ہوتے ہیں جن میں ہزاروں روپیہ صرف ہوجاتے ہیں۔ آگرہ میں بھی شہر کے تمام پیشہ ور مسلمان سیلیں لے لیکر جنگلوں میں بسنت مناتے اور حلوا پوری اڑاتے ہیں اور گھروں میں عورتیں بھی بسنتی کپڑے پہنکر کڑاہیاں چڑھاکر پکوان کرتی ہیں اور مل ملکر بسنت کے گیت گاتی ہیں۔ اور شمالی ہند کے اکثر شہروں اور قصبوں کے مسلمانوں میں کم وبیش بسنت کی رسمیں جاری ہیں۔

